Digitized by Khilafat Library Rabwah

لا اله الا الله محمد رسول الله

هو الذي ارسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله

عسى ان يبعثك ربك مقاما محمودا

سب مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

رسالہ ریویو آف ریلیجنز

اردو

نمبر ۱۱ | نومبر ۱۹۲۶ء | جمادی الثانی ۱۳۴۵ھ | جلد ۲۸

ایڈیٹر: محمد ظہور الدین اکمل

قادیان

ہر انگریزی مہینے کی پہلی تاریخ کو شائع ہوتا ہے

مقام اشاعت

قادیان دار الامان

پنجاب

چندہ سالانہ ہندوستان میں تین روپے اور ہندوستان سے باہر ۴ روپے مستحق طلباء اور غیر احمدیوں سے اڑھائی روپے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

فہرست مضامین

الہام اور ماڈرن سائیکلوجی ایپاریشن کے اسباب	۴۰۱ — ۴۱۱	ڈاکٹر چوہدری محمد شاہنواز خانصاحب ایم بی بی ایس
کیا مقربین کی ہر دعا قبول ہونا ضروری ہے	۴۱۱ — ۴۱۴	مولانا تاج الدین صاحب مولوی فاضل
انجیلی تعلیمات پر نظر	۴۱۵ — ۴۲۴	مولانا محمد یعقوب صاحب مولوی فاضل قادیان
حدیث کسوف و خسوف	۴۲۵ — ۴۲۷	مولانا محمد صادق صاحب کنجاہی مولوی فاضل
وما قتلوہ وما صلبوہ کا صحیح مفہوم	۴۲۷ — ۴۳۲	صوبیدار غلام حسین صاحب ضلع جہلم
بہائی مذہب		حافظ سلیم احمد صاحب اٹاوی
ابطال الباطل	۴۳۳ — ۴۴۰	مولانا حسام الدین صاحب لکھنؤ

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را

تاریخ۔ اسلام کی تاریخ ایسی شاندار ہے۔ کہ اس کا مطالعہ موجب حیات عالم ہے۔ افسوس ہے کہ مسلمان قعر تنزل میں گرے رہے ہیں۔ اور اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ اگر وہ اپنی تاریخ کو پڑھیں تو کم از کم ان کو یہ تو معلوم ہو کہ وہ کون تھے کیا تھے اور اب کیا ہو گئے۔ موجودہ حالات پر نظر رکھتے ہوئے ناامیدی کی کوئی وجہ نہیں۔

مایوس ہم مباش کہ رندان بادہ نوش ⁂ ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

غیر غالب نہیں کہ تاریخ اسلامی کا کوئی صفحہ پڑھتے پڑھتے قلب و دماغ کی حالت میں تغیر ہو اور پڑھنے والا کچھ کا کچھ ہو جائے اور یوں بھی داغہائے سینہ کو تازہ رکھنے کیلئے دفتر پارینہ کو کھول کر دیکھتے رہنا چاہیئے۔ شیخ محمود احمد صاحب عرفانی نے یہ سلسلہ شروع کیا ہے۔ اور سب سے پہلے مصر کو لیا ہے۔ حضرت عمرو بن العاص فاتح مصر کے حالات ہیں اور دکھایا ہے کہ وہ مصر فتح کرنے میں کیونکر کامیاب ہوئے۔ بیچ اس میں بہت سی باتیں کہہ گئے ہیں۔ اور اپنے مسلمان بھائیوں کو متنبہ کیا ہے انکو بتایا ہے کہ ہمارے اسلاف کن وجوہات سے کیسے لائق اور کیریکٹر رکھتے ہوئے فاتح اور مظفر و منصور ہوتے رہے ہیں ہم اس سلسلہ کو خیر مقدم کرتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ یہ کتاب ہاتھوں ہاتھ قیمت ایک روپیہ ہے۔ شوق کے ہاتھوں سے لی جائیگی اور ذوق کی آنکھوں سے پڑھی جائیگی ⁂

ملنے کا پتہ :۔ مینجر الحکم آفس قادیان

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

الہام اور ماڈرن سائیکولوجی

۴- اپیاریشن کے اسباب اور انکی ماہیت

ان عام ہیلوسی نیشن کے علاوہ بعض خاص قسم کی ہیلوسی نیشن ہیں۔ جو مجانین میں نہیں بلکہ صحیح الدماغ لوگوں میں پائی جاتی ہیں۔ اور ان میں غیب کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ ان کو انگریزی میں اپیاریشن کہتے ہیں۔ انکے ساتھ چونکہ انبیاءؑ کے کشوف کو مشابہت ہے۔ اس لئے ان کا مطالعہ۔ اور ان دونو میں فرق بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا ؎

APPARITION اپیاریشن (بھوت) کے اسباب اور انکی ماہیت

علم النفس کا یہ مسئلہ ہے کہ بعض حالات میں جبکہ انسان کو خطرہ ہو۔ اور موت کا یقین ہو۔ تو اسوقت اس کے دماغ سے خاص قسم کی عصبی لہریں بڑی سرعت اور تیزی کے ساتھ نکلتی ہیں۔ جو فضا میں وائرلیس کی طرح تیرتی پھرتی ہیں۔ پھر وہ کسی ایسے دماغ کے ساتھ ٹکراتی ہیں جس سے ان کو مناسبت ہوتی ہے۔ اور دوسرے شخص کو خواہ وہ ہزاروں کوسوں پر ہو۔ اپنے عزیز کے خطرہ یا موت کا نظارہ نظر آجاتا ہے ؎

اس کا ثبوت یہ ہے کہ کئی دفعہ لوگوں کو ایسے نظارے نظر آئے ہیں جن میں ان کے کسی دوست عزیز یا رشتہ دار کی موت کا نقشہ بالکل واضح تھا۔ اور بعد میں واقعات نے ثابت کر دیا کہ واقعی فلاں دن اسی وقت پر اسکے عزیز یا دوست کی موت واقع ہوئی تھی۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ موت کے وقت مرنے والے کے دماغ میں زور سے اس بات کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ کہ میں اپنے فلاں عزیز یا دوست کو مل لوں۔ جس کا اثر دوسرے شخص کے دماغ پر منتقل ہو جاتا ہے ؎

ان کے متعلق عرض ہے کہ ایسے نظارے ہمیشہ صحیح نہیں ہوا کرتے۔ کیونکہ اکثر دفعہ یہ دوستوں اور

Digitized by Khilafat Library Rabwah

عزیزوں کی سلامتی کے متعلق خوف اور فکر کے احساس کے نتیجہ میں بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ جو بالکل غلط اور بے بنیاد ہوتے ہیں۔ چنانچہ کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے۔ کہ مثلاً بچہ والدہ سے جدا ہو کر ندی کے کنارے کھیل رہا ہوتا ہے۔ اور والدہ کو اس بات کا خوف اور خطرہ لگا ہوتا ہے کہ بچہ کہیں ڈوب نہ گیا ہو۔ چنانچہ اسکو اپنے پیارے بچے کے ڈوبنے کا نظارہ نظر بھی آجاتا ہے۔ مگر بعد میں جب وہ گھر میں آتا ہے تو وہ بالکل صحیح سلامت ہوتا ہے۔ اسی طرح ممکن ہے۔ کہ کوئی عزیز درحقیقت خطرہ میں ہو اور اس کی حالت کا ہم کو بالکل علم ہی نہ ہو۔ اور ایسا اکثر دفعہ ہوتا بھی ہے۔ پس یہ کوئی قطعی اور یقینی بات نہیں ہے کہ ضرور اس قسم کے واقعات کا علم ہو جائے ؛

ان نظاروں کے دیکھنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اثر قبول کرنے والے کا ذہن فارغ ہو۔ اس کی کانشنس مائینڈ میں سکون اور انفعالی حالت ہو۔ جیسا کہ مطالعہ کے وقت۔ یا خط لکھنے سے قبل۔ یا نیند کی انتظار میں جو لمحے گذرنے میں ہوتا ہے۔ ایسے اوقات اس قسم کے واقعات کے احساس کے لئے طبعی طور پر موزوں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے نظارے عموماً رات کو دیکھے جاتے ہیں۔ مگر بعض واقعات ایسے ہوئے ہیں جن میں دن کو بھی حیرت انگیز غیبی حالات کا انکشاف ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ذیل کے واقعہ سے ظاہر ہے ؛

ایک عجیب واقعہ ڈاکٹر ہالینڈر صاحب نے اپنی کتاب میں ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ جو اس طرح پر ہوا۔ کہ ۱۸۸۲ء میں ڈاکٹر لنڈسے جانسن اپنے دوست مسٹر فرتھ کے ساتھ ملک ناروے میں تصاویر اکٹھی کرنے کے شوق میں سیاحت کر رہا تھا۔ ایک دن بارش زور سے ہو رہی تھی۔ دریا خوب چڑھا ہوا تھا۔ جسکو عبور کرنا خطرناک تھا۔ اس لئے وہ قریب کی سرائے میں رات گذارنے کے لئے ٹھیر گئے۔ مسٹر فرتھ نے کہا میں ذرا چہل قدمی کے لئے جا رہا ہوں۔ اتنے میں ڈنر تیار ہو جائیگا۔ کھانے کے انتظار میں ڈاکٹر جانسن ۵ بجے خط لکھنے بیٹھ گئے۔ ابھی پندرہ منٹ گذرے تھے کہ اسکو ایسا معلوم ہوا کہ کھڑکی پر کسی نے زور سے دستک دی ہے۔ اور کوئی شخص اس کا نام لے کر اسکو امداد کیلئے بلا رہا ہے۔ سر اٹھایا تو دیکھا کہ کھڑکی میں (جو عین دریا کے مقابل تھی) اس کا دوست کھڑا ہے۔ کپڑے بھیگے ہوئے ہیں۔ چہرہ پر خطرہ اور نزع کے آثار نمایاں ہیں۔ انہوں نے قلم رکھدی۔ اور دوست کو پکڑنے لگے مگر وہ غائب ہو گیا۔ بہت تلاش کی نہ ملا۔ رات کو جب دوست واپس نہ آیا تو بہت فکر ہوا۔ آخر ڈاکٹر مذکور نے اسکو زندہ یا مردہ لانے کے لئے انعام مقرر کیا۔ ایک شخص نے بیان کیا کہ سوا پانچ بجے میں نے ایک مسافر کو دیکھا تھا کہ وہ دریا کو عبور کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے ہر چند منع

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کیا۔ اور خطرہ سے آگاہ کیا مگر اس نے ایک نہ مانی۔ ۱۰ دن کے بعد جب دریا اتر گیا تو مسٹر فرتھ کی لاش جھاڑیوں میں پھنسی ہوئی ملی۔ اور اس کی لاش اس کھڑکی کے عین مقابل تھی۔ جہاں ڈاکٹر مذکور خط لکھ رہا تھا۔ ڈاکٹر مذکور کا بیان ہے کہ میں وہمی نہیں ہوں۔ نہ ہی میں نے کبھی بھوت چڑیل دیکھے ہیں۔ نہ میں ان کے وجود کو مانتا ہوں ؛

ڈاکٹر ہالینڈر نے اس واقعہ کو ایپاریشن قرار دیا ہے۔ جس کی کیفیت اس طرح پر ہے۔ کہ مسٹر فرتھ (مرنے والا) کے دل میں خواہش پیدا ہوئی۔ کہ میں آخری دفعہ اپنے دوست اور ہم سفر کو مل لوں۔ ڈاکٹر (اثر قبول کرنیوالا) اسوقت سکون اور انفعالی کیحالت میں تھا۔ اسکی کانشس مائینڈ دیگر خیالات سے آزاد تھی۔ اس لئے اس کو اُس عصبی لہر کا جلد احساس ہو گیا جو اسکے سب کانشس حصّہ پر پڑی تھی اور اس نے اپنے دوست کی ہلاکت کا نظارہ دیکھ لیا ؛

ایپاریشن نظر آنے کے لئے ضروری شرائط اور اُن پر جرح

(۱) حقیقی خطرہ موجود ہو جس کا لازمی نتیجہ موت ہو۔ (۲) مرنے والے کو خود علم ہو کہ ایسا خطرہ موجود ہے۔ (مثلاً اگر وہ اچانک بجلی وغیرہ کے صدمہ سے مرجائے تو اس کا احساس کسی کو نہ ہوگا) (۳) اثر قبول کرنیوالے کی حالت سکون کی ہو۔ اس کا ذہن انفعالی حالت میں ہو۔ (یہی وجہ ہے کہ ایسے نظارے عموماً رات کو نظر آتے ہیں۔ خصوصاً سونے سے قبل نیند کی حالت میں) (۴) مرنے والے کے دل میں ملاقات کی خواہش زور سے پیدا ہو۔ (۵) ایسا نظارہ موت واقع ہو جانے یا اس سے چند ثانیہ پہلے دکھایا جاتا ہے۔ (اس لحاظ سے یہ غیب میں شامل نہیں۔ بلکہ غیب کی ادنیٰ قسم سِرّ کی ذیل میں آتا ہے۔ غیب وہ ہے جو دنیا میں موجود نہ ہو۔ اور آئندہ ہونے والا ہو۔ سِرّ وہ ہوتا ہے جو دنیا میں موجود ہو یا واقعہ ہو چکا ہو مگر لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو) (۶) ان نظاروں میں واقعات کا نقشہ حقیقی اور اصلی نہیں ہوتا۔ بلکہ فرضی اور دیکھنے والے کے تخیّل کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ مرنے والے کی اصلی تصویر کشفی طور پر نظر نہیں آتی بلکہ اس واقعہ کی عصبی لہر دماغ پر اثر کرتی ہے۔ جس سے واقع کا علم ہوتا ہے۔ آگے اس واقعہ کی تفصیلات انسان اپنے پچھلے مشاہدہ اور علم کی بنا پر اپنے ذہن سے بنا لیتا ہے۔ پس ایسے نظارے واقعہ کے لحاظ سے درست ہوتے ہیں۔ مگر انکی تفصیلات غلط ہوتی ہیں یا قیاسی ہوتی ہیں۔ مثلاً کسی کا دوست اگر خطرہ میں ہو۔ تو اسکی موت کا علم اس عمل سے ہو جائیگا۔ مگر جس لباس اور شکل میں اسکو وہ نظر آئیگا وہ ذہنی اور فرضی ہونگے۔ مثلاً اگر وہ ڈاڑھی منڈھوانے کا عادی تھا تو اس نظارہ میں اسکو اپنا دوست ڈاڑھی منڈھا ہی نظر آئیگا۔ حالانکہ ہو سکتا ہے کہ بوجہ سفر کی مشکلات کے اسکو ۸ - ۱۰ دن سے ڈاڑھی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مونڈھنے کا موقع نہ ملا ہو۔ اور اس کی ڈاڑھی ½ انچ کے قریب لمبی ہو چکی ہو۔ پس اس لحاظ سے یہ نظارے کشوف سے کچھ بھی نسبت نہیں رکھتے۔ (۷) ان نظاروں میں غیب کا اظہار نہیں ہوتا بلکہ محض اپنے واقعات کا علم ہو جاتا ہے جو دنیا میں ہو رہے ہوں مگر عام لوگوں کی نظر سے پوشیدہ ہوں ؁

کشوف اور اپیاریشن میں فرق

۱۔ اپیاریشن (بھوت) عموماً رات کو نظر آتے ہیں۔ جب ذہن انفعالی حالت میں ہو۔ فضا میں سکون ہو۔ حواس ظاہری کی تیزی کم ہو۔ اور واہمہ تیز ہو۔ مگر کشوف عموماً دن کے وقت ہوتے ہیں۔ اور بیداری کی حالت ہوتی ہے۔ صاحب کشف کام کاج میں لگا ہوتا ہے۔ اور اس کا ذہن اپنے کام میں پوری طرح منہمک اور مستغرق ہوتا ہے۔ گویا طبعی لحاظ سے تمام حالات اسکے مخالف ہوتے ہیں ؁

۲۔ اپیاریشن خطرہ کے وقت نظر آتے ہیں۔ مگر وہ کشوف جن میں پیشگوئی ہو۔ ان میں مرنے والے کی موت سے کئی سال پہلے اس کی خبر دی جاتی ہے۔ جیسا کہ لیکھرام کے قتل کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کشف دکھایا گیا تھا ؁

۳۔ کشوف میں نہ صرف دوستوں اور عزیزوں بلکہ دشمنوں کے مرنے کی خبر بھی دی جاتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاءؑ کے کشوف مرنے والے کی ملاقات کی خواہش کا نتیجہ نہیں ہوتے۔ مثلاً لیکھرام جو حضورؑ کا دشمن تھا۔ اس کے دل میں حضورؑ سے ملنے کی خواہش کیسے پیدا ہو سکتی تھی ؁

۴۔ کشف میں جس کی موت کی خبر دی جاتی ہے اسکو خود بھی علم نہیں ہوتا کہ مجھے واقعی جلدی مرجانا ہے۔ وہ تو بلکہ اس پیشگوئی کو جھوٹی اور ظنّی خیال کرتا اور اس پر مذاق اُڑاتا ہے۔ پس کشوف میں مرنے والے کی دماغی لہروں کے اثرات کا دخل نہیں ہوتا ؁

۵۔ کشف میں نہ صرف کسی آئندہ واقعہ کا علم دیا جاتا ہے بلکہ اسکی تفصیلات کا بھی پورا اور صحیح نقشہ دکھایا جاتا ہے۔ اور صاحب کشف اس واقعہ کی تفصیلات کو اپنے ذہن سے پچھلے علم اور تجربہ کی بنا پر نہیں بناتا۔ مثلاً حضرت صاحب کو جب لیکھرام کے قتل کا کشف دکھایا گیا تو اسکی تفصیلات بھی بتائی گئی تھیں۔ جن کی خدا کے فعل نے حرف بحرف تائید کی ؁

۶۔ کشوف میں نہ صرف موت کا اظہار ہوتا ہے بلکہ بڑی بڑی عظیم الشان پیشگوئیوں پر بھی مشتمل ہوتے ہیں۔ جن میں کثرت سے مصفّٰی غیب کا اظہار ہوتا ہے۔ ان میں تحدّی ہوتی ہے۔ اور واقعات ان کی تصدیق بھی کرتے ہیں ؁

پس اس تشریح سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ عوام الناس کے اپیاریشن کو انبیاءؑ اور صلحا کے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کشوف سے دُور کی بھی نسبت نہیں ہوتی ؀

حضرت ساریہؓ جرنیل کا واقعہ اور اپیاریشن کے درمیان مابہ الامتیاز

طوالت کے خوف سے مَیں صرف ایک واقعہ خلفائے راشدین کے وقت کا لیتا ہوں۔ جو خاص تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ اور جس کی اپیاریشن سے سطحی مشابہت ہے۔ پس ضروری ہے کہ ان دونو میں مابہ الامتیاز قائم کیا جائے ؀

تاریخ اسلام میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک دن جمعہ کا خطبہ تلاوت فرما رہے تھے (ان دنوں حضورؓ نے ایک لشکر حضرت ساریہ جرنیل کی ماتحتی میں بیت المقدس کی طرف روانہ کیا ہُوا تھا) کہ خطبہ کے دوران میں آپنے اس کلمہ کو دو تین دفعہ دُہرایا۔ یا ساریۃ الجبل یا ساریۃ الجبل۔ نماز کے بعد لوگوں نے غرض کی۔ اور اس عجیب بات کے متعلق علم حاصل کرنا چاہا۔ آپؓ نے فرمایا کہ مجھ کو کشفی نظارہ میں دکھایا گیا تھا کہ ساریہؓ ایک پہاڑی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ جسکی اوٹ میں دشمن گھات لگائے بیٹھا ہے۔ حضرت ساریہؓ کو اس بات کا علم نہ تھا۔ اور ممکن تھا کہ اس غلطی سے ساری فوج غنیم کے ہاتھوں شہید ہو جاتی۔ پس مَیں نے اسکو پہاڑی کے خطرہ سے آگاہ کر دیا۔ جب حضرت ساریہ جنگ سے واپس آئے۔ تو انہوں نے بالکل یہی حالات بیان کیے۔ اور فرمایا کہ مجھ کو میدان جنگ میں حضورؓ کے یہ الفاظ بالکل واضح طور پر سُنائی دیئے تھے ؀

اس واقعہ کو بظاہر عوام الناس کے اپیاریشن سے مشابہت معلوم ہوتی ہے۔ مگر غور کرنے سے کئی ایسے امور اس میں ہم کو نظر آتے ہیں جو صلحاء کے کشوف کو اپیاریشن سے بالکل ممتاز اور الگ ثابت کر دیتے ہیں۔ مثلاً اس واقعہ میں۔ اوّل تو حضرت ساریہؓ جرنیل کو خطرہ کا علم ہی نہ تھا۔ پس انکے دماغ سے وہ عصبی لہریں پیدا نہ ہو سکتی تھیں جو خطرہ اور موت کے وقت نکلا کرتی ہیں۔ دوسرے اثر قبول کرنیوالے (حضرت عمر فاروقؓ) کی دماغی حالت سکون کی نہ تھی۔ اور آپ انفعالی حالت میں نہ تھے۔ نہ ہی آپکی کانشس مائنڈ دیگر خیالات سے آزاد تھی کہ وہ اس سب کانشس عصبی لہر کے اثر کو محسوس کرتی۔ بلکہ حضور تو پورے جوش اور انہماک کے ساتھ خطبہ تلاوت فرمانے میں مشغول تھے۔ پھر وقت بھی دن کا تھا۔ جب طبعی طور پر ایسے نظاروں کے احساس کا بہت کم احتمال ہوتا ہے ؀

۳۔ حضرت ساریہؓ کے دل میں کوئی خواہش اپنے پیارے خلیفہ کی آخری زیارت کی پیدا نہ ہوئی تھی۔ اور پیدا بھی کیسے ہوتی جب موت کا علم بھی نہ تھا۔ پس ان کی دماغی طاقت کا انتشار نہ ہُوا ؀

۴۔ میدان جنگ اور اس کی دیگر تفصیلات کا جو نقشہ حضورؓ کو دکھایا گیا۔ وہ بالکل واضح اور صحیح تھا۔ اسکی تفصیلات تخیّل کا نتیجہ نہ تھیں۔ ۵۔ پھر اس واقعہ میں ایک اور عجیب بات یہ ہے کہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ایپاریشن میں تو مرنے والا اپنے عزیز کو امداد کے لئے بلاتا ہے اور اسکو خطرہ کا علم دیتا ہے۔ مگر یہاں اسکے برعکس اثر قبول کرنیوالے نے خطرہ میں پڑنے والے کو خطرہ سے آگاہ کیا۔ جو طبعی طور پر ناممکن ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ واقعہ کسی طبعی اصول پر مبنی۔ ایپاریشن وغیرہ کی قسم سے نہ تھا۔ بلکہ طبعی سے بالا تھا۔ اور خاص منشائے الٰہی سے کشفی طور پر اٹھایا گیا تھا ۔

کیا انبیاء کو ڈیلیوین (غلطی خوردہ) ہوتا ہے

غالباً مسٹر والسن جو Y.M.C.A لاہور کے سیکرٹری بھی رہے ہیں۔ انہوں نے ایک کتاب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لائف پر لکھی ہے۔ چھوٹی سی کتاب ہے۔ جو مدت ہوئی ایک دفعہ عاجز کے مطالعہ سے گذری تھی۔ اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ حضرت صاحب کو اَن کانشس سیلف ڈیلیوین تھا (Unconscious self Delusion) یعنی آپ (نعوذ باللہ) غلطی خوردہ تھے اور غلطی بھی ایسی جس کا آپ کو ساری عمر احساس نہ ہوا۔ اور اصلاح نہ کر سکے۔ اسلئے عاجز نے ضروری سمجھا کہ ڈیلیوین کے متعلق بھی مختصراً کچھ عرض کر دے ۔

ڈیلیوین کی تعریف اور اس پر جرح یہ ضروری نہیں ہے کہ جس شخص کو ڈیلیوین (غلطی خوردہ) ہو اسکو ضرور جنون ہی ہو۔ ہم سب کو بعض باتوں کے فیصلہ میں غلطی لگتی ہے مگر ہم مجنون نہیں ہوتے۔ بعض لوگ ۱۳ کے ہندسہ کو منحوس خیال کرتے ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ ایک لغو بات ہے۔ اب دونو میں سے ایک غلطی خوردہ ضرور ہے۔ مگر ہم کسی کو بھی مجنون نہیں کہتے۔ اسی طرح وسط افریقہ کے حبشی لوگوں کے کئی ایسے عقائد ہیں جن کو مہذب لوگ غلط سمجھتے ہیں۔ مگر اس اصول کے ماتحت ہم انکو غلطی خوردہ قرار نہیں دے سکتے۔ بچے جب یہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارے کھلونے بھوکے ہیں یا بیمار ہیں۔ تو کیا وہ پاگل ہوتے ہیں۔ پس ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عاقل اور مجنون کی ڈیلیوین میں مابہ الامتیاز قائم کیا جائے ۔

مجنون کی ڈیلیوین کی تعریف یہ ہے۔ "کوئی ایسا فیصلہ جو اُسی طبقہ۔ تعلیم۔ قومیت اور زمانہ کے لوگوں کے نزدیک قابلِ قبول نہ ہو جس میں اس کا اظہار کرنے والا ہو" (ڈاکٹر سٹارٹ۔ ایم۔ ڈی۔ ماہر امراض عصبی)

اس تعریف پر کئی اعتراض پڑتے ہیں۔ کیونکہ اس طرح تو ہر وہ شخص جو دنیا پر کسی نئی اور عظیم الشان صداقت کا انکشاف کرے۔ مجنون قرار دیا جائیگا۔ مگر اس تعریف کے مؤید اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ایسا نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہر وہ شخص جو نئی تحقیقات کرتا ہے۔ وہ چونکہ اس خاص علم یا فن میں خاص مہارت رکھتا ہے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اور لمبے اور وسیع مطالعہ کے بعد کسی فیصلہ پر پہنچتا ہے۔ اور وہ اس خاص فن میں دیگر لوگوں سے بہت اعلیٰ تعلیم حاصل کر چکا ہوتا ہے۔ اس لئے اُسکی بات قبول کر لینی چاہیئے۔ مثلاً جب ڈارون نے مسئلہ ارتقاء حیوانی کی تھیوری معلوم کی۔ تو اسکو بھی ادنیٰ درجہ کے پیشہ طبقہ نے مجنون قرار دیا تھا۔ مگر علم بائیولوجی کے وہ ماہرین جو ڈارون کی تعلیم کے قریب قریب پہنچے ہوئے تھے۔ اور اس لحاظ سے وہ اسکی تھیوری کے حسن و قبح کو پرکھنے کے زیادہ اہل تھے۔ انہوں نے اس کے نتائج کو جلدی مان لیا۔ اسی اصول کی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے روحانی آقا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی شاگردی میں اللہ تعالیٰ کی خاص تربیت کے ماتحت روحانی علوم حاصل کیئے۔ اور آپؑ نے ان آسمانی علوم کی بنا پر بعض ایسی صداقتیں دنیا کے سامنے پیش کیں جو پہلے مفقود تھیں (مثلاً نزول مسیح۔ صلیبی موت حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ فلسفۂ اخلاق۔ ملائکہ کے وجود۔ نیکی و بدی کی تعریف وغیرہ) پس اس لحاظ سے آپ اس خاص فن میں خاص قابلیت رکھتے تھے۔ اور عوام الناس سے زیادہ اعلیٰ تعلیم پا چکے تھے اسلئے آپؑ کی باتیں دانا لوگوں کو قبول کر لینا چاہیئے تھا ؛

مثلاً جب حضرت اقدسؑ نے وفات مسیح کا مسئلہ خدا سے علم حاصل کر کے دریافت کیا۔ تو اسکو ان لوگوں نے جو حضورؑ کی طرح اس روحانی کوچہ سے آشنا تھے۔ فوراً قبول کر لیا۔ مگر عوام نے جو حضورؑ کی اس تحقیقات کو بوجہ اپنی جہالت اور غلط روایات کی پیروی کے پرکھنے کے اہل نہ تھے اس کو قبول نہ کیا۔ پس معلوم ہُوا کہ اگر کوئی نبی دنیا میں کوئی نئی صداقت دلائل و براہین کے ساتھ قائم کرے۔ تو اسکو اس بنا پر غلطی خوردہ قرار نہیں دیا جا سکتا ؛

مجانین کی ڈیلیوژن کے نمونے

مجانین میں انواع و اقسام کی ڈیلیوژن پیدا ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر چند ایک یہ ہیں۔ مجنون یقین کرتا ہے کہ اسکو پھانسی دینے لگے ہیں۔ وہ خدا سے دُور ہو گیا ہے۔ اور دائمی جہنمی ہے۔ وہ لکڑی یا بلور کا بنا ہُوا ہے۔ وہ شاعر ہے۔ وہ خدا ہے یا یسوع ہے۔ وہ مُردوں کو زندہ کر سکتا ہے۔ وغیرہا ؛

مجنون جب ان غلط باتوں کا دعویٰ کرتا ہے تو اسکی باتوں سے کسی کو دھوکا نہیں لگ سکتا۔ کیونکہ ہم اس میں اس دعویٰ کے مطابق صفات نہ پا کر اسکو رد کر دیتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی نبی مثلاً یہ دعویٰ کرے کہ میں مسیحؑ ہوں۔ ابراہیمؑ ہوں۔ نوحؑ ہوں۔ موسیٰؑ ہوں۔ اور اس میں ان انبیاءؑ کی صفات بھی پائی جائیں۔ اور اس کا تعلق بھی خدا سے انبیاءؑ والا ہو۔ تو پھر اسکو غلطی خوردہ یا مجنون کیوں قرار دیا جائے۔ پس حق تو یہ تھا کہ ہمارے مخالفین حضرت صاحب کی صحبت میں رہ کر خالی بالطبع ہو کر نشانات کا مشاہدہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کرتے۔ پھر انکا حق تھا کہ آپ کو غلطی خوردہ تسلیم کرتے ۔

ڈیلیوین کے اسباب اس عارضہ کے بڑے بڑے سبب تین ہیں :-

(۱) مریض کا میلانِ طبع - اگر مریض کو بڑا بننے کی خواہش ہو - تو اسی قسم کے خیالات اسکے ذہن میں پیدا ہو جاتے ہیں - انگریزی میں ایک مثل ہے "خواہش خیال کا باپ ہے" جو خواہش انسان میں غالب ہو اسی قسم کے خیالات سے اس کی شخصیت رنگین ہو جائیگی - اگر کسی کو یسوع کہلوانے کا شوق اور خواہش ہوگی تو وہ اپنے آپکو یسوع بھی سمجھیگا - مگر حضرت مرزا صاحب کے متعلق نیز تمام انبیاءؑ کے متعلق یہ بات ثابت نہیں - ان کو بڑا بننے یا نبی کہلوانے کا ہرگز شوق نہیں ہوتا نہ ہی ان کو اس قسم کی خواہش ہوتی ہے - وہ تو بلکہ گوشہ نشینی پسند کرتے ہیں - اور گمنامی میں رہنا چاہتے ہیں - مگر اللہ تعالیٰ انکو کشاں کشاں اس منصب پر لا کھڑا کرتا ہے ۔

(۲) سب سے بڑا سبب اس عارضہ کا ہیلوسی نیشن (فرضی آوازیں اور نظارے) ہیں - مجنون چونکہ ان نظاروں کو حقیقی سمجھتا ہے اسلئے اسکے دوسرے حواس انکی تردید نہیں کرتے - اور اس کی قوتِ فیصلہ کو بھی دھوکہ لگ جاتا ہے - جس کے نتیجہ میں اسکو ڈیلیوین (غلطی خوردہ) ہو جاتا ہے - انبیاء کو چونکہ علم ہوتا ہے کہ کشوف اور رؤیا میں تصویری زبان میں الہام ہوتا ہے - اس لئے وہ ان کی تعبیر کرتے ہیں - اور انکو ان نظاروں سے چونکہ دھوکہ نہیں لگتا - اسلئے ان کی قوتِ فیصلہ بھی غلطی سے محفوظ رہتی ہے - پس انبیاءؑ میں الہام اور کشوف کے نتیجہ میں ڈیلیوین نہیں ہو سکتا - ایسے نظاروں سے ڈیلیوین صرف اسی صورت میں ہو سکتا جبکہ دیکھنے والے کو اس نظارہ کی کیفیت اور ماہیت کا علم نہ ہو - مجنون کو ایسا علم نہیں ہوتا - مگر انبیاءؑ کو ہوتا ہے ۔

(۳) حافظہ کی کمزوری سے بھی ڈیلیوین پیدا ہوتا ہے - خصوصاً کسی واقعہ کے متعلق جو خود اسکے اپنے وجود پر گذرا ہو - وقت اور جگہ کی تعیین میں غلطی کرنا - ذیل کے واقعہ سے یہ بات ظاہر ہے :-

ایک شخص پیرس سے لنڈن آرہا تھا - رستہ میں اسکو مرگی کا دورہ ہوگیا - جب رود بار انگلستان کے درمیان میں پہنچا تو تختہ جہاز پر سے پانی میں کود پڑا - ایک بوڑھی عورت دیکھ رہی تھی - اسکو تو دیکھتے ہی ہسٹیریا کا حملہ ہوگیا - اور کسی کو گرنے کا علم نہ ہوا - دوسرے جہاز والوں نے اسکو اٹھالیا - تیراک اچھا تھا جان بچ گئی - جب لنڈن پہنچا تو ہوش آیا - مگر اسکو اس واقعہ کا کوئی علم نہ تھا - اور وہ یہی یقین کرتا تھا کہ میں ابھی تک فرانس میں ہی ہوں - اور یہ ہسپتال جس میں میں زیرِ علاج ہوں - درحقیقت فرانس میں ہے جس کو انگریزوں نے غصب کیا ہوا ہے - انبیاءؑ کے متعلق ایسی کوئی بات ثابت نہیں - انکا حافظہ نہایت اعلیٰ ہوتا ہے - پس معلوم ہوا - کہ ان اسباب میں سے کوئی بھی انبیاءؑ میں پایا نہیں جاتا جن سے مجانین کو ڈیلیوین

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ہوتا ہے۔ اس لئے انبیاء علیہم السّلام کو اپنے دعویٰ کے متعلق ڈیلیوین (غلطی خوردہ) نہیں ہو سکتا +

مجانین اور انبیاء کی حالت میں بعض اصولی فرق

ان کے علاوہ وہمی مجانین اور انبیاءؑ کی حالت میں بعض ایسے اصولی فرق بھی ہیں جو اُن کو مجانین سے بالکل الگ اور ممتاز وجود ثابت کرتے ہیں اور جن کے مطالعہ سے کسی ماہر فن کو انبیاءؑ کو مجنون قرار دینے کی جرأت نہیں ہو سکتی :-

(۱) مجنون میں ضعفِ دماغ کی وجہ سے ساری توجہ ایک خیال کی طرف لگ جاتی ہے۔ جسکو وہ بالارادہ اُدھر سے ہٹا نہیں سکتا۔ نبی کی بھی ساری توجہ قوم کی اصلاح کی طرف ہوتی ہے مگر وہ بالارادہ ہوتی ہے۔ اور وہ جب چاہے اس طرف سے ہٹا بھی سکتا ہے۔ نیز انبیاء میں اجتماع توجہ کا نتیجہ ضعف اعصاب ہوتا ہے۔ نہ اس کا باعث۔ مجنون میں ضعف کے باعث اجتماع توجہ ہو جاتا ہے +

(۲) انبیاء علیہم السّلام کے متعلق عموماً ہسٹیریا کا شبہ کیا جاتا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ہسٹیریا والوں کی طرح اُنکے جذبات اُبھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ مگر ان کو ان پر پورا پورا قابو ہوتا ہے۔ اور وہ جب چاہیں جذبات کو روک سکتے ہیں۔ ہسٹیریا کے مریض کو جذبات پر قابو نہیں ہوتا +

(۳) جو بات باطل ہو یا وہم کا نتیجہ ہو اس کی تائید صرف ایک حس کرتی ہے۔ مثلاً آنکھ کوئی نظارہ دیکھے تو کان اور ہاتھ اسکو جھٹلا دینگے۔ مگر الہام کی تائید کئی حواس کرتے ہیں۔ اور نہ صرف ملہم کی سب حسیں اس میں شامل ہوتی ہیں بلکہ دوسرے لوگ بھی اسکے شاہد ہوتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ الہام کے الفاظ کی خدا کا فعل تائید کرتا ہے +

(۴) الہام لانے والوں کو دوسروں پر عقلی برتری حاصل ہوتی ہے۔ وہم تو بدتر عقل والوں کو ہونا چاہیئے۔ عرب کے مختلف قبائل میں جب تعمیر کعبہ کے وقت حجر اسود کے لگانے کے متعلق جھگڑا ہوا۔ اور قریب تھا کہ تمام ملک کشت و خون سے سُرخ ہو جائے۔ تو اسوقت تمام عرب کے سرداروں نے کہا کہ اس نوجوان (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سے پوچھو۔ حضورؐ نے ایسی دانائی سے اس جھگڑے کو طے کیا کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے اسی طرح حضورؐ کے غلام حضرت احمد نبی اللہ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے مختلف مذاہب کے درمیان جو صلح کے طریق بیان فرمائے ہیں وہ کسی معمولی عقل کے انسان کے دماغ میں نہیں آ سکتے چہ جائیکہ کوئی وہمی یا مجنون ایسے کام کر کے دکھائے +

(۵) انبیاء کی اخلاقی اور سوشل حالت نارمل ہوتی ہے۔ طبیعت میں جوش اور ہیجان نہیں ہوتا۔ حرکات میں سکون اور وقار ہوتا ہے۔ وہمی کی حالت غیر طبعی (Abnormal) ہوتی ہے۔ اس میں جوش ہوتا ہے۔ حرکات میں عجلت اور سرعت ہوتی ہے۔ غصہ کے وقت کانپتا ہے۔ ایک

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بات کی دُھن لگی ہوتی ہے۔ مجنون تنہائی پسند ہوتا ہے مگر کام نہیں کر سکتا۔ قوموں کی اصلاح کرنا۔ جتھہ بنانا۔ سوسائٹی قائم کرنا اسکا کام نہیں ہُوا کرتا۔ کسی عصبی امراض کے ماہر سے ذرا جاکر تو پوچھو کیا مجانین ایسے کام کیا کرتے ہیں ادُھر انبیاءؑ کو ہم دیکھتے ہیں کہ انکی طبیعت میں صبر اور سکون ہے۔ سخت خطرہ کے وقت بھی گھبراہٹ کے آثار ظاہر نہیں ہوتے۔ مزاج میں حلم ہے۔ انکی ہر طرف نگاہ ہوتی ہے۔ ہر شعبۂ زندگی پر نظر ہوتی ہے۔ اور ہدایات دیتے ہیں ایسے پاگل تو خدا کرے ہم سارے ہی ہوں۔ قرآن کریم میں آتا ہے۔ نٓ۔ والقلم وما یسطرون۔ ما انت بنعمۃ ربک بمجنون۔ (القلم۔۱) کہ قلم کی قسم ہے۔ اور اسکی جو اس سے لکھا جائیگا۔ یعنی تمام دنیا کی عصبی امراض کی کتب کو میں بطور گواہ پیش کرتا ہوں۔ کہ وہ اے محمدؐ تجھ کو کبھی مجنون نہ ثابت کر سکینگی۔ دنیا کے سارے علوم کو لے آئیں۔ اور تیرے عمل کو بھی سامنے رکھ کر ان علوم کی روشنی میں پرکھ لیں تیرے کام ہرگز مجنونانہ ثابت نہ ہونگے تجھ کو اطمینان قلب حاصل ہے۔ تجھ میں امنگ ہے۔ شوق ہے۔ تُو خلیق ہے۔ حلیم ہے۔ تیری چال وسطی ہے تیرے اعمال میں میانہ روی ہے۔ تیری اپنی اعلیٰ تربیت ہوئی ہے۔ تو دوسروں کی بھی اعلیٰ تربیت میں مشغول ہے۔ تُو نے ہزاروں کاموں کے منصوبے کئے ہوئے ہیں۔ جن میں تجھ کو کامیابی ہو گی۔ تو خدا کے کلام کے حقیقی معانی بیان کرتا ہے۔ تجھ کو کون پاگل کہ سکتا ہے ؏

(۶) مُدعی الہام کی پالیسی۔ ہمیشہ غالب آتی ہے۔ اگر انبیاء علیہم السلام میں کوئی دماغی نقص و جنون ہوتا تو وہ غالب کیوں ہوتے۔ پاگل کے کام کے نتائج نہیں ہُوا کرتے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مجنون کی ہی پالیسی ہمیشہ (فرضی آوازیں) تمام دنیا کی تجاویز پر غالب آجائیں حضرت نوحؑ نے سب لوگوں کو للکارا۔ کہ اگر تم سب ملکر بھی میرے مقابلہ میں آؤ۔ تو آخر میں میں جیتونگا۔ کیا کوئی مجنون بھی ایسا دعویٰ کرکے کامیاب ہُوا کرتا ہے۔ اگر حضرت نوحؑ کے مُنہ سے خدا کا کلام نہ نکلا تھا تو وہ کیوں غالب ہوئے؟

(۷) عام تجربہ اس بات پر شاہد ہے کہ وہ افکار جو دماغی کیفیت کا نتیجہ ہوں۔ بڑھاپے میں جاکر کمزور ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ دماغ کی حساسیت عمر بڑھنے سے کم ہو جاتی ہے۔ نیز دماغ کے اندر سے فاسفورس کی مقدار کم ہوکر اسکے کیسہ (Cells) کمزور ہو جاتے ہیں ؏

مگر انبیاءؑ میں اسکے بر خلاف بُڑھاپے میں جاکر الہام زیادہ شاندار ہوتے ہیں۔ جو طبعی قانون کی رُو سے بالکل ناممکن ہے۔ اور ان کی تعداد بھی بڑھ جاتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جب دماغ میں سے فاسفورس کم ہو گیا۔ اسکے کیسہ (Cells) کمزور ہو گئے تو الہام زیادہ ہونے لگے۔ اور اگر پہلے وہ ستارہ کی مانند روشن تھے۔ تو اب سورج کی مانند ہو گئے۔ پس یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ انبیاءؑ کے الہام اور کشوف طبعی قانون کے ماتحت کسی دماغی کیفیت کا نتیجہ نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ طبعی کے خلاف اور اس سے بالا بطور

القا کئے ہوتے ہیں۔ وہ خدا کا کلام ہوتا ہے اور اسی کا نمونہ ہوتا ہے جو اسکو چلا رہا ہوتا ہے ٭

آخر میں میں یہ عرض کرتا ہوں۔ کہ علم النفس کا کوئی بھی صحیح اور مسلّمہ مسئلہ ایسا نہیں ہے جو الہام اور کشوف وغیرہ کو مجانین کی ہیلوسی نیشن وغیرہ ثابت کرتا ہو۔ اور میرا یہ ایمان ہے کہ تمام حقیقی فلسفہ سائنس اور طب قرآن کریم کے تابع ہے۔ اور اسکے ساتھ ہرگز نہیں ٹکراتی ٭

اللہ تعالیٰ ہمارے مخالفین کو غلط فلسفہ کی تاریکیوں سے نکلنے اور اسلام اور احکام اسلام کو صحیح فلسفہ اور سائنس کی روشنی میں دیکھنے کی توفیق دے۔ آمین ٭ والسلام

خاکسار محمد شاہ نواز

کیا مقربین کی ہر دُعا کا قبول ہونا ضروری ہے؟

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعض دُعاؤں پر اعتراض کر کے حضورؑ کی صداقت کے خلاف نتیجہ نکالنے والے، مندرجہ ذیل تحریر کا بنظرِ غور مطالعہ فرما کر، اپنی عاقبت کی فکر کریں۔

۱۔ علم عقاید میں مشہور و معروف کتاب "الاقتصاد فی الاعتقاد" مصنفہ حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے اردو ترجمہ "علم الکلام" کے صفحہ ۱۷ پر لکھا ہے، "کئی دفعہ یہ بات ہوئی ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام نے خدا تعالیٰ سے دعائیں مانگیں اور انکو اپنی دُعائیں قبول ہونے کا بھی یقین تھا۔ مگر خدا تعالیٰ نے کسی مصلحت کی وجہ سے ان کو قبول نہ کیا"۔

۲۔ ایسا ہی تفسیر سراج المنیر جلد دوم صفحہ ۱۲۴ پر لکھا ہے:۔ ان اجابۃ دعاء الانبیاء غالبۃ لا لازمۃ فقد تتخلف لقضاء اللہ تعالیٰ بخلافہ کما فی دعاء ابراھیم فی حق ابیہ وکما فی دعاء نبینا محمد صلعم فی قولہ سألتہ ان لا یذیق بعضھم بأس بعضٍ فمنعنیھا یعنی انبیاءؑ کی دُعاؤں کا قبول ہونا غالب اور اکثر طور پر ہے لازم اور ضروری نہیں ہے کہ ہر ایک دُعا قبول ہو جائے پس بعض دفعہ اللہ تعالیٰ ان کی دعا کے خلاف فیصلہ صادر فرما دیتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کی دُعا اپنے باپ کے حق میں اور آنحضرت صلعم کی یہ دُعا کہ میری اُمّت کے لوگ باہم نہ لڑیں قبول نہ ہوئی۔

۳۔ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی اپنی تفسیر بیان القرآن جلد اوّل صفحہ ۱۶۶ میں لکھتے ہیں "اگر عدم قبول میں کسی وقت قبول سے زیادہ مصلحت و منفعت ظاہری و باطنی ہو تو وہ عدمِ قبول بھی قبول ہے"۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

علاوہ ازیں قرآن وحدیث میں کہیں یہ وارد نہیں ہوا، کہ نبیوں یا ولیوں کی ہر ایک دعا مقبول ہوجاتی ہے بلکہ قرآن وحدیث سے بھی صریح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ بعض دعائیں قبول نہیں کی جاتیں مثلاً قرآن شریف کی یہ آیت ولنبلونکم بشیءٍ من الخوف والجوع ونقصٍ من الاموالِ والانفس والثمرات وبشّر الصابرین (بقرہ ع ۱۹) جسکے صاف یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو طرح طرح کی تکالیف ودکھوں میں اور مالی وجانی نقصانوں میں ڈالکر آزماتا ہے اور دوسری جگہ فرمایا اُدعونی استجب لکم مجھ سے دعائیں مانگو میں قبول کرونگا۔ اب اگر اس آیت شریفہ کا یہ مفہوم ہے کہ ہر موقعہ پر ہر ایک دعا قبول کرلونگا۔ تو ظاہر ہے کہ آزمائش کی حالت آہی نہیں سکتی۔ کیونکہ ان تکالیف کو جو بطور ابتلا یا امتحان کے آئی ہوں فوراً بندہ دعا کے ذریعہ سے ۔۔۔ منسوخ کرا دیگا۔ کیونکہ قرآن نے ہمیں یہ تو نہیں بتایا کہ فلاں قسم کے دکھ یا مصائب بطور ابتلا کے ہونگے۔ ان کے لئے مجھ سے دعا نہ کرنا۔ ایسا ہی تمام وہ آیات جن میں مصائب کے وقت صبر کی تلقین کی گئی اور صبر کرنیوالوں کے لئے طرح طرح کے انعام مقرر کیئے گئے ہیں۔ صاف طور پر اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہیں کہ بعض مواقع پر دعائیں قبول نہیں بھی کیجاتیں۔ فتدبر

یا مثلاً یہ حدیث کہ لکل نبی دعوۃ مستجابۃ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۸۷) کہ ہر نبی کے لئے ایک ایسی دعا ہے جو ضرور ہی قبول ہوجاتی ہے اس کا مفہوم مخالف صاف یہ نکلتا ہے کہ بعض دعائیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو مستجاب نہیں ہوتیں۔ ورنہ اگر ہر دعا مستجاب ہوتی رہے تو یہ کہنا کیا معنی رکھتا ہے کہ ایک دعا ایسی ہے جو ضرور قبول ہوجاتی ہے۔ فافہم ؛

یا یہ حدیث صلی بنا رسول اللّٰہ علیہ وسلم صلوٰۃ فاطالھا قالوا یا رسول اللّٰہ صلیت صلوٰۃ لم تکن تصلیھا قال اَجَل انّھا صلوٰۃ رغبۃٍ ورھبۃٍ وانی سألت اللّٰہ فیھا ثلاثاً فاعطانی اثنتین ومَنَعَنِی واحدۃ ۔۔۔۔ رواہ الترمذی والنسائی مشکوٰۃ صفحہ ۱۰۹ کہ صحابہؓ کو آنحضرت صلعم نے نماز پڑھائی اور اسکو بہت لمبا کیا عرض کیا یا رسول اللہؐ آپ نے ایک ایسی نماز پڑھی ہے کہ اس سے قبل ایسی کبھی نہیں پڑھی فرمایا ہاں، یہ رغبت اور خوف کی نماز تھی اس میں مَیں نے اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں کی ہیں دو کو تو خدا تعالیٰ نے منظور فرمالیا ہے اور ایک منظور نہیں کی

پس جب سید الانبیاءؐ کی دعا ایک بے نظیر نماز میں مانگی ہوئی بھی قبول نہیں کی گئی۔ تو اوروں کا کیا حال۔ ایسا ہی حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی تھی وانی خفت الموالی من ورائی فھب لی من لدنک ولیاً یرثنی ویرث من اٰل یعقوب کہ اے خدا مجھے اپنے پیچھے اپنے بھائی بندوں سے خوف ہے پس اپنی طرف سے مجھے ایک جانشین عطا فرما۔ جو میرا بھی وارث ہو اور نسل

Digitized by Khilafat Library Rabwah

یعقوب کا بھی وارث ہو۔

مگر کون نہیں جانتا کہ دعا کا یہ حصّہ کہ میرے پیچھے میرا وارث ہو منظور نہیں ہُوا۔ کیونکہ حضرت یحییٰ حضرت زکریا کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے دیکھو تفسیر سراج المنیر جلد ۲ زیر آیت مذکور۔ نیز اہلحدیث ۱۱ راکتوبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۸ کالم ۲ پر لکھا ہے کہ حضرت نوحؑ کی بھی ایک دعا مقبول نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ لکھا ہے :۔

"غور سے دیکھو کہ نوح علیہ السلام کا لڑکا ان کے سامنے پانی میں غرق ہو گیا جسکے بچاؤ کے لئے حضرت نوحؑ نے خدا سے بھی دُعا مانگی مگر کچھ فائدہ نہ ہُوا۔"

اور خود آنحضرت صلعم یہ دُعا کرتے رہے۔ اَللّٰھُمَّ اغفر قومی واھد قومی یا اللہ میری قوم کے گناہ بخش دے اور اسکو ہدایت عطا کر۔ (قوم کے لئے دیکھو یا رب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا) مگر ظاہر ہے کہ آپؐ کی ساری قوم کو ہدایت نصیب نہیں ہوئی۔ عتبہ، شیبہ، ابو لہب وغیرہ آپؐ کی قوم ہی میں سے تھے۔ پھر آپؐ کی یہ دُعا کہ اَللّٰھُمَّ بارک لا متی فی بکورھا یوم الخمیس اے خدا میری اُمّت کے لئے جمعرات کی صبح والے سفر میں برکت ڈال" تو کیا ہر ایک کو یہ برکت مل رہی ہے کیا یہ امر واقع نہیں کہ بے شمار مسلمان باوجود جمعرات کی صبح کو سفر کرنے کے اپنے مقاصد میں ناکام و نامراد ہی رہتے ہیں۔ اور دُعا اھدنا الصراط المستقیم تو تمام اولیاء (آنحضرت صلعم سے لیکر) مانگتے چلے آئے ہیں جس میں ساری دنیا کے لئے صراط مستقیم طلب کیا جاتا ہے تو کیا یہ مستجاب ہوئی؟

حضرت مسیح موعودؑ کا مذہب

جیسا کہ تمام محققین کا مذہب ہے کہ مقربین کی ہر ایک دعا کا قبول ہونا شرط نہیں۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی یہی مذہب ہے چنانچہ حضورؑ فرماتے ہیں :۔

(۱) "یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ خیال کہ مقبولین کی ہر ایک دعا قبول ہو جاتی ہے سراسر غلط ہے۔ بلکہ حق بات یہ ہے کہ مقبولین کے ساتھ خدا تعالیٰ کا دوستانہ معاملہ ہے کبھی وہ ان کی دُعائیں قبول کر لیتا ہے اور کبھی وہ اپنی مشیت ان سے منواتا ہے" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۹)

(۲) خدا کے مقبولوں کی شان کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:۔

"خدا ان کی سُنتا ہے اور ایسا ہی ہوتا ہے کہ خدا ان کی دُعا کو رد نہیں کرتا۔ اور کبھی ان کی عبودیت ثابت کرنے کیلئے دُعا سُنی نہیں جاتی تا جاہلوں کی نظر میں خدا کے شریک نہ ٹھیر جائیں"۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۸)

(۳) اس کتاب کے صفحہ ۳۲۱ پر فرماتے ہیں:۔

"اگرچہ دُعا کا قبول ہو جانا ہر جگہ لازمی امر نہیں کبھی کبھی خدائے عز و جل اپنی مرضی بھی اختیار کرتا ہے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ مقبولین حضرت عزت کے لئے یہ بھی ایک نشان ہے کہ بہ نسبت دوسروں کے کثرت سے ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔"

(۴) نیز تریاق القلوب صفحہ ۱۵۱ میں لکھتے ہیں:۔

"اگر سید صاحب (سر سید مرحوم) کی تحریر کا یہ مطلب ہوتا کہ ہر ایک دعا کا قبول ہونا واجب نہیں بلکہ جس دعا کو خدا تعالیٰ قبول فرمانا اپنے مصالح کے رو سے پسند فرماتا ہے وہ دعا قبول ہو جاتی ہے ورنہ نہیں تو یہ قول بالکل سچ ہوتا۔"

(۵) فیصلہ آسمانی صفحہ ۱۹ پر بھی یہی مضمون ہے۔

(۶) پھر فرمایا "یہ بالکل سچ ہے کہ مقبولین کی اکثر دعائیں منظور ہوتی ہیں۔" حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۸)

(۷) میرا صدہا مرتبہ کا تجربہ ہے کہ خدا ایسا کریم و رحیم ہے کہ جب اپنی مصلحت سے ایک دعا کو منظور نہیں کرتا تو اس کے عوض میں کوئی اور دعا منظور کر لیتا ہے جو اس کے مثل ہوتی ہے جیسا کہ فرماتا ہے ما ننسخ من اٰیۃ .... الخ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۲۷)

علاوہ ازیں استجابت دعا کے متعلق ایک اور اصول بھی احادیث نبویہ سے معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہے:-

(۱) عن ابی ھریرۃ ما من رجل یدعوا بدعاءٍ الا استجیب لہ فاما ان یعجل لہ فی الدنیا واما ان یدخر لہ فی الاٰخرۃ واما ان یکفر عنہ ذنوبہ بقدر ما دعا رواہ الترمذی یعنی دعائیں بشرائط خود تمام قبول کی جاتی ہیں ہاں بعض کا ظہور تو اس عالم میں ہو جاتا ہے اور بعض آخرۃ کے لئے ذخیرہ ہوتی ہیں اور بعض دعائیں داعی کے بعض قصوروں کا کفارہ ہو جاتی ہیں۔ اس مضمون کی ایک حدیث مشکوٰۃ ص۱۸۶ پر بھی ہے جسکو احمد نے روایت کیا ہے۔

(۲) مشکوٰۃ صفحہ ۱۸۷ پر یہ حدیث ہے عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدعاء ینفع مما نزل ومما لم ینزل فعلیکم عباد اللہ بالدعاء رواہ الترمذی رواہ احمد عن معاذ ابن جبل کہ دعا ہر صورت مفید ہے خواہ صبر و تحمل کے بعد اس کا نتیجہ ظاہر ہو جائے یعنی وہ قبول ہو جائے اور خواہ ظاہر نہ ہو۔ پس اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ صالحین کی کوئی ایک دعا بھی ضائع نہیں جاتی کسی نہ کسی رنگ میں وہ قبول ہو ہی جاتی ہے۔ خاکسار تاج الدین لائل پوری (مولوی فاضل) از قادیان

بقایا داران ریویو اردو جن اصحاب کا چندہ سالانہ تا حال نہیں پہنچا۔ وہ مہربانی فرما کر اسکی ادائیگی کی طرف متوجہ ہوں۔ ہم تیسری بار وی پی کر رہے ہیں۔ جو انکاری واپس نہیں آنے چاہیئے۔

(مینیجر)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

انجیلی تعلیمات

عیسائیت کی مایۂ ناز تعلیمات پر ایک نظر

(۔)

گیارھویں انجیلی تعلیم اسی طرح انجیل کی ایک اور تعلیم جو کہ بالکل ہی ناقابل عمل ہے۔ وہ مسئلۂ طلاق کے متعلق ہے۔ اسلام اِس امر کو بالکل جائز قرار دیتا ہے کہ اگر مرد اپنی عورت پر ظلم و ستم کرے یا اسکے حقوق کو ادا کرنے میں بہت کوتاہی کرے۔ اور پھر صلح کی تمام کوششیں بیسود اور بیکار ثابت ہوں۔ تب عورت کا اختیار ہے کہ وہ حاکم وقت کے ذریعہ سے مرد سے جدائی حاصل کرے۔ جسے اسلامی اصطلاح میں خُلع کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ مگر مسیحیت کی تعلیم کے مطابق کسی حالت میں بھی عورت اپنا دامن مرد سے چھُڑا نہیں سکتی خواہ اُسکا خاوند اُسے کتنے ہی دکھ اور تکلیفیں پہنچاتا ہو۔ اور خواہ وہ گھر اُسکے لئے جہنم کی آگ سے بھی زیادہ جلانے والا ہو۔ ہاں صرف ایک ہی صورت ہے۔ اور وہ بدکاری کا ارتکاب ہے۔ اصل الفاظ حضرت مسیحؑ کے یہ ہیں کہ:۔

"مَیں تم سے یہ کہتا ہوں۔ کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرامکاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے۔ وہ اُس سے زنا کراتا ہے۔" (متی ۵/۳۲)

پھر فرماتے ہیں کہ:۔

"مَیں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرامکاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑدے۔ اور دوسری سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے۔" (متی ۱۹/۹)

اور ایک تیسرے موقع پر فرمایا۔ کہ:۔

"جسے خدا نے جوڑا ہے۔ اُسے آدمی جدا نہ کرے۔" (مرقس ۱۰/۹)

تو گویا عورت کے نجات پانے کا صرف ایک ہی طریق ہُوا۔ تب جاکر وہ اُس ظالم مرد سے چھٹکارا حاصل کرے۔ مگر سوچو کہ کسقدر یہ ناقص تعلیم ہے۔ کیا عورت کو کلّی طور پر بے دست و پا نہیں کردیا گیا۔ اور اُسکی جائز آزادی کو کیا خاک میں نہیں ملادیا گیا۔ کیا عورت اپنے مرد کے مظالم پر ہمیشہ صبر ہی کرتی چلی جائے۔ خواہ وہ مرد اسکے حقوق ادا ہی نہ کرے۔ اور خواہ وہ بُرے سے بُرا سلوک اُس سے روا رکھے۔ لازماً اِس تعلیم پر عمل ہونا ازحد

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مشکل ہے۔ کیونکہ صرف بدکاری ہی ایسی چیز نہیں ہے جو طلاق پر انسان کو مجبور کرے۔ بلکہ عورت کا مشرک، اور مفسدہ ہونا اور ناپاک زندگی بسر کرنا اور اسی طرح مرد کا بے دین اور مشرک ہونا اور اُس کا حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا نہ کرنا ایسے امور ہیں جو تعلّقاتِ زوجین کو قطع کرنے والے ہیں۔ پس طلاق کی مختلف وجوہات ہو سکتی ہیں۔ جن کے ماتحت طلاق دینا یا خُلع کرانا ازحد ضروری ہے مگر مسیحیّت نے محض بدکاری کے ارتکاب سے طلاق کو مخصوص کر کے بقیّہ خصوصیات کو نظرانداز کر دیا ہے جو اسکے نقص پر واضح طور پر دلالت کرتا ہے۔

مطلّقہ عورت کے متعلّق انجیل کی تعلیم

اسی مسئلہ طلاق کے ضمن میں حضرت مسیحؑ اپنے حواریوں کو ایک اور تعلیم دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں :-

"اور جو کوئی اُس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے"۔ (متی ۵/۳۲)

اور دوسری جگہ فرمایا :-

"اور جو کوئی چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے۔ وہ بھی زنا کرتا ہے"۔ (متی ۱۹/۹)

اور اسی طرح مطلّقہ عورت اگر کہیں بیاہ کرے۔ تو وہ بھی انجیلی تعلیم کے رُو سے زانیہ سمجھی جائیگی چنانچہ فرمایا

"اور اگر عورت اپنے شوہر کو چھوڑ دے۔ اور دوسرے سے بیاہ کرے تو زنا کرتی ہے"۔ (مرقس ۱۰/۱۲)

گویا طلاق اور خُلع کی ہر ایک صورت کو مسدود قرار دیکر یہ بھی کہا گیا۔ کہ مطلّقہ عورتیں اپنی ساری زندگی کبھی دوسرے شوہر کا نام تک نہ لیں۔ اور اگر بیاہ کر لیا تو وہ نعوذ باللہ ہمیشہ کے لئے زانیہ سمجھی جائینگی کیا مطلّقہ عورتوں کو ہمیشہ کے لئے فسق و فجور میں مبتلا کرنے کے لئے صرف یہی ایک انجیلی تعلیم کافی نہیں ہے اور کیا اسپر عمل پیرا ہونے سے مطلّقہ عورتوں کی طبعی خواہشات پر انتہا درجہ کا ظلم نہیں ہوگا یقیناً جب ایک شوہر نے اسے طلاق دیدی یا اس نے خود مرد کے جور و ستم سے تنگ آکر اُس سے جدائی اختیار کر لی۔ اور دوسرا اس سے بیاہ نہیں کرتا تو اب وہ اسی طریق کو اختیار کریگی کہ اخلاقی حدود کو توڑتے ہوئے وہ اپنی طبعی خواہش کو پورا کرنے کا سامان ڈھونڈھے پس ایسی تعلیم دینا یقیناً ان عورتوں کے لئے جنہیں طلاق دیدی گئی نہایت بیرحمی کی تعلیم ہے۔ کیونکہ آخر انکے اندر بھی جذبات اور احساسات ہیں اور وہ بھی آخر انہی قوتوں کی مالکہ ہیں جن کی دوسری عورتیں مالک ہیں۔ پھر جب قوتوں اور طاقتوں کے لحاظ سے مساوات ہوئی تو آخر کونسی عقل ہمارے لئے یہ جائز قرار دے سکتی ہے کہ ہم انہی جیسی عورتوں کو ہمیشہ کے لئے ایسی قید میں ڈالکر ان کی طبعی قوّتوں کے ضائع کرنیکا باعث بنیں۔ پھر تعجّب یہ کہ وہ جب نیک نیّتی اور تقویٰ طلبی کی خواہش کے ماتحت نکاح ثانی کریں۔ تو اُس مرد اور عورت کو زانی اور بدکار قرار دیا جاتا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ خالص تقویٰ اور طہارت کے راستہ پر انہوں نے قدم مارا۔ پس ایسی تعلیم کا یہ دوسرا حصّہ بھی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بالکل ناقابلِ عمل ہے۔ جو انجیلی تعلیمات کے نقائص میں اور بھی زیادہ اضافہ کرتا ہے ؛

بارھویں انجیلی تعلیم اسی طرح عیسائیت کی یہ تعلیم ناقابلِ عمل ہے۔ کہ دنیا سے شادی بیاہ کا طریق اُٹھا کر تجردانہ زندگی بسر کرنے کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ حضرت مسیح کے وہ کلمات جو آپ نے شاگردوں سے فرمائے۔ اُن کو میں اسجگہ درج کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ لکھا ہے کہ :-

"شاگردوں نے اُس سے کہا کہ اگر مرد کا بیوی کے ساتھ ایسا ہی حال ہے۔ تو بیاہ کرنا ہی اچھا نہیں۔ اُس نے اُن سے کہا کہ سب اس بات کو قبول نہیں کر سکتے۔ مگر وہی جنہیں یہ قدرت دی گئی ہے۔ کیونکہ بعض خوجے ایسے ہیں جو ماں کے پیٹ ہی سے ایسے پیدا ہوئے۔ اور بعض خوجے ایسے ہیں۔ جنہیں آدمیوں نے خوجہ بنایا۔ اور بعض خوجے ایسے ہیں۔ جنہوں نے آسمان کی بادشاہت کے لئے اپنے آپکو خوجہ بنایا۔ جو قبول کر سکتا ہے وہ قبول کرے" (متی ۱۹/۱۰-۱۲)

اس تعلیم میں حضرت مسیحؑ نے خوجوں کی تین قسمیں فرمائی ہیں۔ اوّل وہ خوجے جو پیدائشی خوجے ہوتے ہیں دوسرے وہ جنہیں لوگ خود آپ خوجہ بناتے ہیں۔ اور تیسرے وہ جنہوں نے اپنے آپ کو آسمانی بادشاہت کے لئے خوجہ بنایا۔ اور آپ نے فرمایا۔ کہ گو سب لوگ اس بات کو قبول نہیں کر سکتے۔ مگر جو بھی قبول کر سکتا ہے وہ ضرور قبول کرے۔ گویا حضرت مسیحؑ کے نزدیک زیادہ بہتر انسان کی روحانیت کے لئے یہ ہے کہ وہ رہبانیت اختیار کرے۔ اور شادی بیاہ کے نزدیک تک نہ جائے۔ اُس کی وضاحت کرنے کے لئے میں پولوس کے اقوال یہاں درج کر دیتا ہوں۔ فرماتے ہیں :-

"میری رائے میں آدمی کے لئے یہی بہتر ہے۔ کہ جیسا ہے۔ ویسا ہی رہے۔ اگر تیرے بیوی ہے تو اُس سے جدا ہونے کی کوشش نہ کر۔ اور اگر تیرے بیوی نہیں۔ تو بیوی کی تلاش نہ کر۔ لیکن تو بیاہ کرے بھی۔ تو گناہ نہیں۔ اور اگر کنواری بیاہی جائے تو گناہ نہیں مگر ایسے لوگ جسمانی تکلیف پائینگے۔ اور میں تمہیں بچانا چاہتا ہوں" (۱۔ کرنتھیوں ۷/۲۶-۲۷)

پھر فرماتے ہیں :-

"اور اگر کوئی یہ سمجھے کہ میں اپنی اُس کنواری لڑکی کی حق تلفی کرتا ہوں۔ جسکی جوانی ڈھل چلی ہے۔ اور ضرورت بھی معلوم ہو۔ تو اختیار ہے اس میں گناہ نہیں۔ وہ اُس کا بیاہ ہونے دے۔ مگر جو اپنے دل میں پختہ ہو۔ اور اس کی کچھ ضرورت نہ ہو۔ بلکہ اپنے ارادے کے انجام دینے پر قادر ہو۔ اور دل میں قصد کر لیا ہو کہ میں اپنی لڑکی کو بے نکاح رکھونگا۔ وہ اچھا کرتا ہے"۔ (۱۔ کرنتھیوں ۷/۲۶-۲۷)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بھلا یہ تعلیم جو کہ ابھی بیان کی گئی ہے۔ اس قابل ہے کہ اسپر عمل کیا جائے۔ اور اگر عمل ہونا شروع بھی ہو جائے تو کیا ایسے خطرناک نتائج پیدا نہیں ہو سکتے جو تمدن اور تہذیب کے لئے ہمیشہ مضر ثابت ہوں۔ اور جن کا فرر مذہبی دنیا میں ناقابلِ تردید یا اور مسلم الثبوت ہو۔ اگر بھوک اور پیاس ایک طبعی جذبہ ہے جو انسان کے اندر رکھا گیا۔ اور کوئی ایسا مذہب نہ ہوا جو ہمیشہ بھوکے اور پیاسے رہنے کی تعلیم دیتا ہو۔ تو اسی طرح اور بعینہ اسی طرح شہوت ایک طبعی جذبہ ہے جو انسان کے اندر رکھا گیا۔ پس جس طرح دنوں بھوکا رہنے سے ذہنی اور عقلی قوی میں انحطاط شروع ہو جاتا ہے۔ اور اعلیٰ قابلیتیں انسان کی تباہ ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح اس قوت سے بھی کام نہ لینے والے امراض دماغی میں مبتلا ہو کر دنیا کے مفید کاموں میں حصہ نہیں لے سکتے۔ اور تھوڑی ہی عمر پا کر دنیا سے گذر جاتے ہیں۔ پس رہبانیت کی تعلیم دینا اور طبعی قوت شہوانیہ کو جائز اور صحیح طریق پر پورا کرنے سے روکنا بالکل ناقص اور ناقابل عمل تعلیم ہے۔ اور اس طریق پر کبھی خدا سے تعلق پیدا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بدکاری کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ تب اس تعلیم پر عمل کرنے والے اخلاقی حدود کو توڑتے ہوئے اس تاریک میدان میں قدم رکھتے ہیں۔ جہاں جاتے کے بعد زمین اور آسمان سے ان پر نفرین ہونی شروع ہو جاتی ہے*

میں یقیناً اس بات پر ایمان رکھتا ہوں کہ خدائی قرب کی سب سے زیادہ تعلیم اسلام نے دنیا کے سامنے پیش کی ہے۔ مگر باوجود اسکے حدیثوں سے صاف ثابت ہے کہ عثمان بن مظعون نے تبتّل اختیار کرنا چاہا تو رسول کریم صلعم نے اس تجرّد سے منع فرمایا۔ اور پھر آپ نے فرمایا کہ یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوّج فانہ اغضّ للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء (بخاری جلد ۳ کتاب النکاح) اور آپ نے فرمایا کہ انسان کے جسم کا بھی اُس پر حق ہے۔ اور اُسکی بیوی کا بھی اُس پر حق ہے۔ اور آپ نے فرمایا کہ میں خدا کا رسول ہو کر عبادت بھی کرتا ہوں اور بیویوں کے حقوق کو بھی ادا کرتا ہوں۔ اور پھر آپ نے فرمایا کہ جس نے میری سنت سے اعراض کیا۔ اُس کا میرے ساتھ کیا تعلق؟

مگر اس انجیلی تعلیم سے تو یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ گویا عورت کوئی ایسا قابلِ نفرت وجود ہے۔ کہ اگر اُسکے ساتھ مرد کا تعلق بھی ہو جائے۔ تو پھر گویا خدائی جلوہ انسانی قلب پر نہیں پڑ سکتا۔ حالانکہ عورت وہ قیمتی وجود ہے کہ جسکے بغیر انسانی روح کبھی درجۂ کمال تک نہیں پہنچ سکتی۔ اور عورت وہ چراغ ہے۔ جو اُسکے ظلمت کدہ کو اپنی ایک ہی روشنی سے منوّر کر دیتی ہے۔ پس عورت کے وجود کو حقیر جاننا بالکل ہی سمجھ سے بعید ہے۔ اور یہ کہنا کہ شادی بیاہ نہ کرو گویا دوسرے لفظوں میں یہ کہنا ہے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کہ بقائے نسل کی طرف توجہ نہ کرو۔ اور ایسے قابل وجود دنیا میں پیدا نہ کرو۔ جو اپنی اعلیٰ قابلیتوں سے ملکی اور مذہبی ترقی میں کوشاں رہنے والے ہوں۔ غرضکہ یہ تعلیم جہاں بدی کو پھیلا سکتی ہے وہاں ہی قومی ترقی کو خطرناک صدمہ پہنچا کر اُسے اتنا قلیل کر سکتی ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں دنیا ویران جنگل کی طرح ہو جائے جہاں ہُو کا ہی عالم ہر چہار جانب نظر آئے اور ساری دنیا کی ترقیات صرف ایک صدی میں ہی ملیا میٹ ہو کر چوپاؤں اور درندوں کا دَور دَورہ ہو جائے ونعوذ باللہ منہا ؁

تیرھویں انجیلی تعلیم ایک اور انجیلی تعلیم جسے سب سے آخر میں بیان کرنا چاہتا ہوں۔ وہ قسموں کے متعلق حضرت مسیحؑ کا یہ فرمان ہے کہ:۔

"مَیں تم سے یہ کہتا ہوں۔ کہ بالکل قسم نہ کھانا۔ نہ تو آسمان کی۔ کیونکہ وہ خدا کا تخت ہے۔ نہ زمین کی۔ کیونکہ وہ اُسکے پاؤں کے نیچے کی چوکی ہے۔ نہ یروشلم کی۔ کیونکہ وہ بزرگ بادشاہ کا شہر ہے۔ نہ اپنے سر کی قسم کھانا کیونکہ تُو ایک بال کو بھی سفید یا کالا نہیں کر سکتا۔ بلکہ تمھارا کلام ہاں ہاں یا نہیں نہیں ہو۔ کیونکہ جو اِس سے زیادہ ہے وہ بدی سے ہے" (متی ۵ باب ۳۴ تا ۳۷)

مگر سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ آخر قسم کی ممانعت کونسی وجوہات کی بناء پر کی گئی ہے۔ کیا قسم کھانے سے انسان کی روحانیت کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ یا اِس سے اُسکے دنیاوی کاروبار میں کوئی خلل واقع ہو سکتا ہے، جبکہ ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ قسم فیصلے کا ایک ذریعہ تسلیم کی گئی ہے۔ اور اسے ایک تسلّی بخش شہادت قرار دیا گیا ہے تو لازماً قسم کھانے سے ممانعت کا حکم دینا بہت دفعہ ہمیں مجبور کریگا۔ کہ ہم اس حکم کی حدود سے تجاوز اختیار کر کے قسم کھا کر آپس کے جھگڑوں کا تصفیہ کر لیں۔ پھر اوروں کو اگر جانے بھی دیا جائے۔ تو بھی یہ بات تو مسلم الثبوت ہے۔ کہ عیسائی حکام خود قسم کھاتے اور انجیل اُٹھاتے ہیں۔ اور بڑے سے بڑے پادری بھی جب عدالت میں شہادت کی خاطر پیش ہوتے ہیں۔ تو وہ بھی بطیب خاطر قسم کھاتے ہیں اور کبھی ایسا نہیں کہتے کہ ہم قسم نہیں کھائینگے۔ بلکہ انگریزی سلطنت کے کل متعہد عہدہ دار سب حلف اُٹھانے کے بعد اپنے عہدوں پر مامور ہوتے ہیں۔ جب حالت یہ ہے تو لازماً اِن امثلہ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ایک ایسا حکم ہے جسپر عمل کرنا بالکل ناممکن ہے ؁

اور اگر یہ کہا جائے کہ بوجہ مسیح علیہ السّلام کے زمانہ سے بُعد اور دُوری کے اب لوگوں کے اندر خرابی پیدا ہوگئی ہے۔ جسکی بنا پر وہ قسمیں کھا رہے ہیں۔ تو بھی اس امر سے تو انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ آخر قسمیں وہ اپنے ذاتی یا قومی مفاد ہی کی خاطر کھاتے ہیں۔ اور جبکہ ضروریاتِ زمانہ انہیں قسمیں کھانے پر مجبور کر رہی ہیں۔ تو لازماً یہ ایک ایسی تعلیم ہوئی جس پر ہمیشہ عمل کرنا انسانوں کے لئے مشکل ہو گیا۔ مگر

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کامل تعلیم کی یہ حالت نہیں ہوتی۔ وہ تو ایسی جامع اور مکمّل تعلیم ہوتی ہے کہ کسی پہلو سے بھی نقص اپنے اندر نہیں رکھتی۔

مگر اسکے علاوہ اناجیل سے ہمیں اس امر سے بھی آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ کہ بوجہ اس تعلیمی نقص کے پطرس نے بھی قسمیں کھائیں اور پولوس نے بھی۔ اور اُنہوں نے کبھی یہ خیال نہ کیا۔ کہ مسیحؑ ہمیں کیا حُکم دے گیا تھا۔ جس کی خلاف ورزی کے ہم مرتکب بنے۔ وہ پطرس جسے مسیحؑ نے یہ الفاظ کہے تھے کہ:۔

"میں آسمان کی بادشاہت کی کنجیاں تجھے دونگا۔ اور جو کچھ تُو زمین پر باندھیگا وہ آسمان پر بندھیگا۔ اور جو کچھ تُو زمین پر کھولیگا وہ آسمان پر کُھلیگا" (متی ۱۶/۱۹)

بغیر اس امر کے کہ اُسے قسم کھانے پر کوئی مُصِر کرتا۔ آپ ہی آپ قسم کھاتا ہے نہ ایک بار بلکہ دو بار اور ذکر آتا ہے کہ

"اس پر وہ لعنت کرنے اور قسم کھانے لگا کہ میں اس آدمی کو نہیں جانتا" (متی ۲۶/۷۴)

پولوس بھی ان الفاظ میں قسم کھانے کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ:۔

"اے بھائیو! مجھے اُس فخر کی قسم جو ہمارے خداوند مسیح یسوع میں تم پر ہے۔ میں ہر روز مرتا ہوں" (۱۔ کرنتھیوں ۱۵/۳۱)

اور ظاہر ہے کہ پطرس اور پولوس آخر تبھی قسم کھانے کی طرف لَوٹے۔ جب انہوں نے یہ جانا کہ بغیر قسم کھانے کے ہمیں فلاں مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ پس قسم کھانے کی بکلّی ممانعت کرنا بالکل ناقص تعلیم ہے جسکے خلاف عمل کرنے پر خود زمانہ انسان کو مجبور کر دیتا ہے۔

مگر اسلام اسکے مقابل پر کتنی عجیب تعلیم دیتا ہے۔ وہ قسمیں کھانے سے ہمیں نہیں روکتا کیونکہ وہ اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ قسم فیصلے کا ایک ذریعہ ہے اور کسی ذریعۂ ثبوت کو بکلّی طور پر ضائع کر دینا خدائی حکمت کو باطل قرار دینا ہے۔ مگر یہ بھی وہ ساتھ کہتا ہے کہ بیہودہ قسموں سے اپنے آپکو تم بچاؤ۔ کہ اس طرح اُس قسم سے جو خدا کو گواہ ٹھیرانے کا دوسرا نام ہے تمسخر اور استہزاء ہوگا۔ جو تمھاری روحانیت کو کمزور کر دیگا۔ اور خدائی دروازے سے تدریجاً تمھارے قدم کو دُور کھینچتا لے جائیگا۔ پس یہ مقام جوت ہے

الغرض یہ تمام انجیلی تعلیمات کچھ اس قسم کی واقعہ ہوئی ہیں۔ کہ اگر انسانوں کا ان پر عمل ہونا شروع ہو جائے تو بے انتہاء نقائص پیدا ہو جائیں۔ جن میں سے بعض مذہبی لحاظ سے اور بعض قومی اور ملکی مفاد کے لحاظ سے۔ بعض تمدّنی اور اقتصادی حالت کے لحاظ سے خطرناک نتائج پیدا کر کے ترقیات کو ہمیشہ کے لئے معدوم کر ڈالیں۔ اور حضرت مسیحؑ کے اس قول کی سچّائی دنیا پر ظاہر کر دیں کہ:۔

"میں زمین پر آگ ڈالنے آیا ہوں۔ اور اگر لگ چکی ہوتی۔ تو میں کیا ہی خوش ہوتا" (لوقا ۱۲/۴۹)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

انجیلی تعلیمات کے بے اثر ہونیکا زبردست گواہ

پھر ان انجیلی تعلیمات کے ناقص ہونے کا ایک زبردست ثبوت یہ ہے کہ ان تعلیمات پر عمل کرنے کے باوجود انسان اُن انعامات کو حاصل نہیں کر سکتا۔ جن کے متعلق حضرت مسیحؑ نے ہمیشہ زور دیا۔ اور نہ اُن درجات کو حاصل کر سکتا ہے۔ جنکے حصول کی مسیح ناصریؑ نے اپنے حواریوں کو امید دلائی

مَیں نے جہاں تک غور کیا ہے۔ مجھے نظر آتا ہے کہ ذیل تائیدی نشان اپنے حواریوں کے لئے حضرت مسیحؑ نے بیان فرمائے تھے۔ مگر تعجب پر تعجب یہ کہ ان حواریوں نے اپنی ساری عمریں اس تعلیم پر عمل کرتے ہوئے گذار دیں۔ مگر انہیں وہ تمام نشانات تو کجا ایک بھی نشان اُن میں سے حاصل نہ ہوا۔ پھر اُن حواریوں کی نسلیں دنیا میں پیدا ہوئیں۔ اور انہوں نے عمل کرنا شروع کیا۔ مگر آہ کہ انہوں نے بھی کسی الٰہی انعام کو اپنے شامل حال نہ پایا۔ ذرا سوچو کہ کیا یہ واضح طور پر ظاہر نہیں کرتا۔ کہ یہ تعلیمات ہی ناقص تعلیمات ہیں۔ اور یا وہ وعدے ہی صحیح وعدے نہیں۔ اگر انسان آگ کے قریب بیٹھے تو وہ گرمی محسوس کر سکتا ہے۔ اور اگر سردی میں جائے تو وہ ٹھنڈک سے ٹھٹھر سکتا ہے۔ تو جب گرمی اور سردی کا اثر انسانی جسم پر واقع ہو سکتا ہے۔ تو کیا خدائی تعلیمات ہی انسانی روح کو محبّت الٰہی میں گداز کر کے اُسے انعامات کا وارث نہیں بنا سکتیں۔ یقیناً یقیناً گرمی اور سردی سے بہت زیادہ اثر الٰہی کلمات میں ہوتا ہے جو ایک ہی لحظہ میں انسان کے وساوس کو دور کر کے اُسے خدائی قُرب کا مقام نصیب کرا دیتے ہیں۔ پس مسیحیوں کا باوجود عمل کرنے کے کسی ایک درجہ کو بھی نہ پانا تعلیمات کے ناقص ہونے کا بیّن ثبوت ہے ؛

حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں :۔

"اور ایمان لانے والوں کے درمیان یہ معجزے ہونگے۔ وہ میرے نام سے بد روحوں کو نکالیں گے۔ نئی نئی زبانیں بولینگے۔ سانپوں کو اُٹھا لینگے۔ اور اگر کوئی ہلاک کرنے والی چیز پئیں گے۔ اُنہیں کچھ ضرر نہ پہنچے گا۔ وہ بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے تو اچھے ہو جائینگے" (مرقس ۱۶/۱۷-۱۸)

پھر فرماتے ہیں :۔

"اگر تم میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہوگا۔ تو اس پہاڑ سے کہہ سکو گے کہ یہاں سے سرک کر وہاں چلا جا۔ اور وہ چلا جائیگا۔ اور کوئی بات تمھارے لئے ناممکن نہ ہو گی" (متی ۱۷/۲۱)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

پھر فرماتے ہیں :-

"اگر ایمان رکھو اور شک نہ کرو۔ تو نہ صرف وہ کروگے جو انجیر کے درخت کے ساتھ ہُوا۔ بلکہ اگر اس پہاڑ سے بھی کہوگے کہ تُو اُکھڑ جا اور سمندر میں جا پڑ۔ تو یہ ہو جائیگا" (متی ۲۱/۲۱)

پولس بھی مسیحؑ کی تائید کرتا ہے۔ کیونکہ وہ حقیقی معنوں میں پہاڑوں کو چلانا ایمانِ کامل کی علامت قرار دیتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں :-

"اگر مجھے نبوّت ملی۔ اور سارے بھیدوں اور کُل علم کی واقفیت ہوئی۔ اور میرا ایمان یہاں تک کامل ہُوا۔ کہ پہاڑوں کو ہٹا دوں۔ اور محبّت نہ رکھوں۔ تو مَیں کچھ بھی نہیں"

(۱۔ کرنتھیوں ۱۳/۲)

حضرت مسیحؑ نے پھر فرمایا :-

"اگر تم میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوتا۔ اور تم اِس تُوت کے درخت سے کہتے کہ جڑ سے اُکھڑ کر سمندر میں لگ جا۔ تو تمہاری مانتا" (لوقا ۱۷/۶)

اِن مختلف عبارات میں جو سچّے حواریوں کے امتیازی نشانات بیان کیئے گئے ہیں۔ وہ مندرجہ ذیل دس نشان ہیں :-

۱۔ بدروحوں کو نکالنا اور دیووں کو ہٹانا۔

۲۔ نئی نئی زبانیں بغیر سیکھنے کے معجزانہ طور پر بولنا۔

۳۔ سانپوں کو بغیر ضرر کے پکڑنا۔

۴۔ زہر کو بغیر نقصان کے پی جانا۔

۵۔ بیماروں کو صرف چھُو کر تندرست کرنا۔

۶۔ پہاڑوں کو چلانا۔

۷۔ پہاڑوں کو سمندر میں گرانا۔

۸۔ انجیر یا کسی سبز درخت کو محض لعنت سے خُشک کر دینا۔

۹۔ درختوں کو چلانا۔

۱۰۔ کسی ایک بات کا بھی اُن کے لئے ناممکن نہ رہنا۔

اب اِن مذکورہ بالا نشانات میں سے کوئی ایک بھی نشان ایسا نہیں جو موجودہ عیسائیوں میں پایا جاتا ہو۔

۱۔ وہ بدروحوں کو نہیں نکالتے بلکہ دیووں کے وجود ہی کا انکار کرتے ہیں۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

۲- پھر وہ زبانیں سیکھنے کے لئے محکمۂ تعلیم کو قائم کرتے اور اساتذہ کو مقرر کر کے اُن سے پڑھتے اور تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ نہ کہ بغیر سیکھنے کے معجزانہ طور پر وہ بولتے ہیں۔

۳- اسی طرح وہ سانپوں کو نہیں پکڑتے۔ بلکہ جہاں نظر آئے اُسے مارتے اور لوگوں کو ان سے ڈراتے ہیں۔

۴- پھر اسی طرح نہ وہ زہر پیتے ہیں۔ بلکہ زہر کے لفظ کو ہی وہ اپنے شفاخانوں میں موٹے بلکہ سُرخ حروف میں لکھ کر وہ سُم کو دُور ہی سے بتلاتے ہیں کہ اسکے قریب مت آنا۔

۵- پھر وہ بیماروں کیلئے ہسپتال قائم کرتے ہیں۔ یہ نہیں کہ صرف چھوئیں اور بیمار کو اچھا اور تندرست کر دیں۔

۶- اِسی طرح نہ وہ پہاڑوں کو چلاتے ہیں۔ اور نہ اُنہیں سمندروں میں گراتے ہیں۔ نہ کسی سبز درخت کو محض لعنت سے خشک کر سکتے ہیں۔ اور نہ ہی درختوں کو چلا سکتے ہیں۔ پھر بہت ساری باتیں اُن کے لئے بالکل ناممکن ثابت ہوتی ہیں۔ بحالیکہ حضرت مسیح ؑ نے یہ فرمایا تھا۔ کہ اُن کے لئے کوئی بات بھی ناممکن نہ رہیگی۔ پس جب امتیازی نشانات ہی مسیحیوں میں مفقود ہیں۔ جن نشانات کو بڑے زور سے بیان کیا گیا تھا۔ تو لازماً ہمیں یہی کہنا پڑتا ہے کہ وہ تعلیم ہی ناقص تعلیم تھی۔ جو حضرت مسیح ؑ نے بیان کی۔ کیونکہ تبھی اُسکے ثمرات سے عمل کرنے والوں نے کوئی حصّہ نہ پایا۔ ورنہ غیر ممکن تھا کہ اعلیٰ تعلیم پر عمل کرنے کے باوجود بھی اعلیٰ مقاصد سے انسان دُور رہتا۔ اور کسی ایک امتیازی نشان کو بھی اپنے وجود میں جلوہ گر نہ پاتا ؏

اب اگر یہ دلائل سُننے کے باوجود بھی کسی مسیحی کا یہ خیال ہو۔ کہ انجیلی تعلیم ہی بہر صورت فضیلت کی حقدار ہے۔ تو مَیں ایسے شخص سے کہونگا۔ کہ وہ کسی ایک تعلیم ہی کو انجیل سے پیش کرے۔ جو اسکے خیال کے مطابق قرآنی تعلیم سے بہتر اور اعلیٰ تعلیم ہو۔ اور پھر اسے شائع کرے۔ دنیا خود بخود سمجھ جائیگی کہ فضیلت کا سہرا کس کتاب کے سر پر ہے۔ اور مَیں انشاء اللہ اُس پہلو کے لحاظ سے قرآنی فضیلت کو مفصّل اور مدلّل طور پر ظاہر کرونگا۔ وما توفیقی الا باللہ العلیّ العظیم ؏

بالآخر میں یہ مضمون اپنے آقا سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ایک پُر از معارف تحریر پر ختم کرنا چاہتا ہوں۔ حضور اپنی کتاب کشتیٔ نوح میں فرماتے ہیں:-

"خدا نے تم پر بہت احسان کیا ہے۔ جو قرآن جیسی کتاب تمھیں عنایت کی۔ مَیں تمھیں سچ سچ کہتا ہوں۔ کہ وہ کتاب جو تم پر پڑھی گئی۔ اگر عیسائیوں پر پڑھی جاتی۔ تو وہ ہلاک نہ ہوتے اور یہ نعمت اور ہدایت جو تمھیں دی گئی۔ اگر بجائے توریت کے یہودیوں کو دی جاتی۔ تو بعض فرقے اُن کے قیامت سے منکر نہ ہوتے۔ پس اِس نعمت کی قدر کرو۔ جو تمھیں دی گئی۔ یہ نہایت پیاری نعمت ہے۔ یہ بڑی دولت ہے۔ اگر قرآن نہ آتا تو تمام دنیا ایک گندے مضغہ کی طرح تھی۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

قرآن وہ کتاب ہے۔ جسکے مقابل پر تمام ہدایتیں ہیچ ہیں۔ انجیل کا لانے والا وہ رُوح القدس تھا۔ جو کبوتر کی شکل پر ظاہر ہُوا۔ جو ایک ضعیف اور کمزور جانور ہے۔ جسکو بلی بھی پکڑ سکتی ہے۔ اس لئے عیسائی دن بدن کمزوری کے گڑھے میں پڑتے گئے۔ اور روحانیت انمیں باقی نہ رہی۔ کیونکہ تمام اُن کے ایمان کا مدار کبوتر پر تھا۔ مگر قرآن کا روح القدس اس عظیم الشان شکل میں ظاہر ہوا تھا۔ جس نے زمین سے لیکر آسمان تک ۔۔۔۔۔۔ اپنے وجود سے تمام ارض و سماء کو بھر دیا تھا۔ پس کجا وہ کبوتر اور کجا یہ تجلّیٔ عظیم۔ جس کا قرآن شریف میں بھی ذکر ہے۔ قرآن ایک ہفتہ میں انسان کو پاک کر سکتا ہے۔ اگر صوری یا معنوی اعراض نہ ہو۔ قرآن تم کو نبیوں کی طرح کر سکتا ہے۔ اگر تم خود اُس سے نہ بھاگو"

وآخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہِ ربّ العٰلمین ٥

خاکسار محمد یعقوب عفا اللہ عنہ محلّہ دار الفضل۔ قادیان

حدیث خسوف کسوف

ان لمهدینا اٰیتین لم تکونا منذ خلق السمٰوات والارض ینکسف القمر لاوّل لیلۃ من رمضان وتنکسف الشمس فی النصف منہ ولم تکونا منذ خلق اللّٰہُ السمٰوات والارض۔ ترجمہ :۔ "حضرت محمد بن علی الباقرؓ کہتے ہیں کہ ہمارے مہدی کے لئے دو نشان ہیں۔ جو اس سے قبل، شروع پیدائش آسمان و زمین سے کسی مدعی کی تصدیق کے لئے ظاہر نہیں ہوئے۔ چاند کو ماہ رمضان میں اسکی مقررہ تواریخ میں سے پہلی میں گہن ہوگا (اور وہ تیرھویں تاریخ ہے) اور سورج کو اسکی مقررہ تواریخ میں سے درمیانی تاریخ (جو ۲۸ ہے) میں گہن ہوگا (پھر تاکید فرمائی) کہ جب سے زمین و آسمان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے وہ دو نوں نشان کسی مدعی کی تصدیق کے لئے کبھی ظاہر نہیں ہوئے۔"

پہلے میں بفضلہ تعالیٰ مختصر طور پر اس حدیث کی صحت پر کچھ تحریر کرتا ہوں کیونکہ میرے خیال میں یہ تمام دیگر امور کے لئے بطور بنیاد کے ہے۔ سو یاد رہے۔ کہ محقق دار قطنی نے اس حدیث کو اور بیہقی اور دیگر بعض محدثین نے اس کی مانند حدیث کو روایت کیا ہے۔ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب نے بھی اسے اپنے رسالہ قیامۃ نامہ فارسی میں درج فرمایا ہے۔ نیز یہ حدیث حجج الکرامہ۔ حدیث الغاشیہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اقتراب الساعۃ - آثارِ محشر و تفسیر محمدی پنجابی وغیرہ میں درج ہے۔ دیکھو ابواب علاماتِ مہدی اگر یہ حدیث سرے سے تھی ہی موضوع تو ان لوگوں نے دیدہ و دانستہ (خلق خدا کو) کیوں ورطۂ ضلالۃ میں گرایا؟

دوم - بائیبل میں بھی یہ پیشگوئی موجود ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو یسعیا باب ۱۳ آیت ۱۰ "آسمان کے ستارے اور کواکب روشنی نہ چمکا دینگے اور سورج طلوع ہوتے ہوتے اندھیرا ہو جائیگا اور چاند اپنی روشنی نہ دیگا" پھر لکھا ہے "اور میں آسمان اور زمین پر عجیب قدرتیں ظاہر کرونگا یعنی لہو اور دھوئیں کے ستون۔ سورج اندھیرا اور چاند لہو ہو جاویگا پیشتر اسکے کہ خداوند کا بڑا اور خوفناک دن آئے" یوئیل باب ۲ آیت ۳۱ و ۳۲ پھر لکھا ہے "کہ ان دنوں کی مصیبت کے بعد تُرت سورج اندھیرا ہو جائیگا اور چاند اپنی روشنی نہ دیگا اور ستارے آسمان سے گر جائینگے اور آسمان کی قوتیں ہل جاوینگی تب ابن آدم کا نشان آسمان پر ظاہر ہوگا" متی باب ۲۴ آیت ۲۹ - پس جب بائیبل بھی اس نشان کی مصدق و مؤید ہے۔ تو پھر اس کی صحت میں کیا شک باقی رہ گیا؟

سوم - اس حدیث کی صحت کا ایک اور نہایت زبردست ثبوت یہ بھی ہے۔ کہ اہل سُنّت و اہل تشیع نے اسپر اتفاق کیا ہے۔ گو دار قطنی کے اثر میں (جسکے الفاظ عین سُنّت اللہ کے مطابق ہیں) اور اکمال الدین کے اثر میں کسی قدر لفظی فرق ہے اور اتنا ہی ہے جتنا کہ اہل سُنّت رواۃ کے حفظ و اتقان اور قوۃ تنقید اور جودۃ قریحۃ میں اور رواۃ شیعۃ کی غباوۃ اور عدم اتقان میں ہے۔ مگر اس خفیف فرق سے کوئی دانشمند و صاحب علم جو جانتا ہے کہ صاحبانِ اکتشافات و تحقیقات کن کن مواد اور قرائن سے مضبوط قواعد اور اصول موضوعہ نکال لیتے ہیں تذبذب اور حیرت میں نہیں پڑ سکتا۔ اسقدر بدیہی اور صاف مادہ دونوں اثروں میں مشترک ہے۔ کہ سرسری نظر بھی بول اُٹھتی ہے کہ ایک ہی چشمہ سے دو مختلف استعداد والوں اور قابلیتوں نے پانی لیا ہے۔ اور پھر اپنے اپنے ظرف کے موافق اس مقدس پانی کو یا مصفّا رکھا ہے یا مکدّر کر دیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ دار قطنی کی روایت اولی بالقبول ہے۔ اسلئے کہ اُسکے سارے الفاظ قانون قدرت کے مطابق ہیں اور اکمال الدین والی روایت اُسکے ماتحت لائی جا کر اور اسکی روشنی میں خفیف سی اصلاح کے زیر مشق ہو کر پھر یہ دونو روایتیں ایک دوسرے کے تظاہر سے وہ قوت اور مکانت پیدا کر لیتی ہیں کہ ان سے بڑھ کر کوئی روایت پیدا کر ہی نہیں سکتی۔ فھذا ھو الحق وماذا بعد الحق الا الضلال۔

چہارم - سب سے بڑھ کر اور ٹھوس ثبوت اس حدیث کی صحت کا قرآن کریم کی شہادت ہے۔ خدا تعالےٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ فاذا برق البصر وخسف القمر وجمع الشمس والقمر یقول الانسان

Digitized by Khilafat Library Rabwah

یومئذٍ این المفر"۔ جب آنکھیں پتھرا جاوینگی اور چاند گہن ہوگا اور سورج اور چاند اکٹھے کیے جاوینگے یعنی سورج کو بھی گہن لگیگا اس روز انسان کہیگا کہ بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟ ہر ایک فہیم و ذکی اس امر کی شہادت دیگا کہ یہ واقعہ واقعات قیامت میں سے نہیں بلکہ آثار قیامت میں سے ہے۔ جس کا وقوع اسی دُنیا میں ہونا ضروری ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ کسوف و خسوف اشکال نظامیہ سے پیدا ہوتے ہیں یعنی ان کا پیدا ہونا اوضاع منتظمہ مقررہ پر موقوف ہے اور قیامت ان اشکال نظامیہ کے فساد کا نام ہے۔ پس جب وہ نسب و اسباب۔ نظام و احکام ہی نہ ہوگا تو کسوف و خسوف کہاں سے پیدا ہو جائینگے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں قیامت کے واقعات کو بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔ وہاں خدا تعالیٰ تکویر و کشط اجرام سماویہ وما شابھھا الفاظ کو استعمال فرماتا ہے۔ پس ان الفاظ کے لانیکی حکمت یہی ہے۔ کہ اسکو دنیوی واقعہ قرار دینا مراد ہے۔ کیونکہ خسوف و کسوف میں یہ امر مضمر بھی ملحوظ ہے۔ کہ شمس و قمر بعد تبدیلیٔ حالتِ خود پھر حالتِ اولیٰ منتظرہ کی طرف عود کریں اور تکویر و کشط اجرام سماوی ایک علیحدہ حقیقت ہے۔ جس سے کوئی واقف نہیں۔ فاٰیۃ شھادۃ اکبر من شھادۃ اللہ؟

اب عمرو بن شمر راوی حدیث کا مطعون و متہم بالکذب ہونا کوئی مضر صحت حدیث نہ رہا۔ کیونکہ شواہد اربعہ مذکورہ اس کو اس حدیث کے نزدیک تک پھٹکنے نہیں دیتے بلکہ بڑے زور سے اس کی تردید کر رہے ہیں نیز مطعون بالکذب ہونا ہرگز اس بات کی کوئی قطعی دلیل نہیں کہ اس شخص کی ہر ایک بات پُر از کذب و زور اور خالی از صدق ہے۔ اسی بنا پر علامہ ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب "نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر" میں فرماتے ہیں "الاول وھو الطعن بکذب الراوی فی الحدیث النبوی ھو الموضوع والحکم علیہ بالوضع انما ھو بطریق الظن الغالب لا بالقطع اذ قد یصدق الکذوب" یعنی مطعون و متہم بالکذب شخص کی روایت کو موضوع قرار دینا ظنِّ غالب پر مبنی ہے نہ کہ یقین پر۔ کیونکہ کثرت سے جھوٹ بولنے والا شخص بھی کبھی کبھی سچ بول دیا کرتا ہے"۔
صفحہ ۵۶ مطبوعہ مطبع دہلی ۱۳۴۴ھ

لیکن اگر درحقیقت اس حدیث کے بعض راوی مرتبۂ اعتبار سے اسقدر گرے ہوئے تھے کہ ان کی روایت کسی صورت میں بھی قابل قبول نہ تھی تو یہ اعتراض دارقطنی پر ہوگا کہ اس نے ایسی حدیث لکھکر مسلمانوں کو کیوں دھوکہ دیا یعنی یہ حدیث اگر مطلقاً قابلِ اعتبار نہ تھی تو دارقطنی نے اسے اپنی صحیح میں کیوں درج کیا حالانکہ[1]

---

[1] حاشیہ دیکھئے لکھا ہے "الحدیث الموضوع شر الاحادیث الضعیفۃ ولا تحل روایۃ لاحدٍ علمِ حالہ فی ای معنیً کان" پھر اس جلیل القدر محدث نے کیوں دیدہ و دانستہ اس حدیث موضوع کو اپنی صحیح میں درج کیا حالانکہ آپ کا دعویٰ تھا قال دارقطنی یا اھل بغداد لا تظنوا ان احداً یقدر ان یکذب علیٰ رسول اللہ ..... وانا حیٌّ کہ تیری موجودگی میں کوئی کاذب حدیث کے اختراع کی جرأت نہیں کرسکتا دیکھو نخبۃ الفکر کی شرح نزہۃ النظر صفحہ ۵۶ محمد صادق احمدی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

وہ اس مرتبہ کا آدمی ہے کہ صحیح بخاری پر بھی تعاقب کرتا ہے اور اسکی تنقید میں کسی کو کلام نہیں اور اسکی تالیف کو ہزار سال سے زیادہ گذر گیا ہے مگر اب تک کسی عالم نے اس حدیث کو زیر بحث لاکر موضوع قرار نہیں دیا نہ یہ کہا کہ اسکے ثبوت کی تائید میں کسی دوسرے طریق سے مدد نہیں ملی۔ بلکہ اسوقت سے کہ یہ کتاب ممالک اسلامیہ میں شائع ہوئی ہے۔ تمام علماء و فضلاء متقدمین و متاخرین میں سے اس حدیث کو اپنی کتابوں میں لکھتے چلے آئے ہیں بھلا اگر کسی نے اکابر محدثین میں سے اس حدیث کو موضوع ٹھیرایا ہے تو ان میں سے کسی محدث کا قول یا فعل تو پیش کر دکھاؤ !!!

پنجم۔ اس حدیث کی صحت کا قطعی ثبوت ایک یہ بھی ہے کہ واقعات نے اسکی تصدیق کردی ہے ؛

مَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ کا صحیح مفہوم

اہل کتاب کی کتاب مقدس سے بیخبری

اے میرے پیارے بھائیو! اور حق کے متلاشیو!! آپ اس بات کو جانتے ہونگے۔ کہ جب حضرت عیسیٰ ؑ نے مبعوث ہوکر دعویٰ رسالت کیا۔ تو یہود نے اسپر اعتراض کیا۔ کہ اگر تو اپنے دعویٰ رسالت میں صادق ہے تو ایلیاہ نبی کہاں ہے۔ جس کا بموجب کتاب ملاکی نبی پہلے آنا ضروری ہے۔ حضرت عیسیٰ ؑ نے انہیں جواب دیا۔ کہ ایلیاہ نبی سے مراد اسکی خو بو پر آنیوالا شخص ہے۔ اور وہ یوحنا ہے۔ یہودیوں نے کہا۔ کہ ہماری کتاب میں ایسا نہیں لکھا۔ جیسا تو بیان کرتا ہے۔ حضرت مسیح ؑ نے فرمایا۔ کہ چاہے تم مانو یا نہ مانو ایلیاہ جو آنیوالا تھا۔ وہ یہی (یوحنا) ہے۔ مگر یہودیوں نے اِس جواب کو صحیح خیال نہ کیا۔ اور ظاہری لفظوں پر اڑ کر انکار کر دیا۔ تب یہود نے حضرت عیسیٰ ؑ کے خلاف منصوبے سوچنے شروع کیے۔ آخر وہ اس نتیجہ پر پہنچے۔ کہ اسکو صلیب کے ذریعہ قتل کیا جائے۔ تاکہ ابطال رسالت و اثبات لعنت ہو۔ اور اس طرح اسکا سلسلہ ایسا درہم برہم ہوگا۔ کہ اس کا کوئی نام لیوا آئندہ نہ ہوسکیگا۔ چنانچہ جیسا کہ اناجیل میں مفصل ذکر ہے۔ انہوں نے حاکم وقت کے حکم سے مسیح ؑ کو صلیب پر کھینچا۔ اور سمجھ لیا۔ کہ حضرت عیسیٰ ؑ صلیب کے ذریعہ قتل ہونیکی وجہ سے صرف جھوٹے نبی ثابت نہیں ہوئے۔ بلکہ نعوذ باللہ ملعون بھی ہوگئے ہیں جیسا کہ

انکی کتاب استثنا ۱۸ باب ۲۰ میں قتل ہونا جھوٹے نبی کی علامت اور صلیب کے ذریعہ مرنیوالا ملعون ہے دیکھو استثنا ۲۱ باب ۲۳ ادھر عیسائی ایسے انکی دیانت میں آئے کہ انکا عقیدہ ہوگیا کہ وہ ہمارے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

گناہوں کے بدلے لعنتی ہوا۔ جیسا کہ گلتیوں ۳/۱۳ میں ہے۔ حالانکہ ہم ابھی ثابت کرینگے۔ کہ از روئے کتب یہود و نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے صلیبی موت سے بچا کر طبعی موت سے مثل سائر انبیا وفات دی۔ افسوس تو یہ ہے کہ مسلمانوں نے بھی مسیحؑ کے آسمان پر جانے اور دوبارہ آنے میں تو نصاریٰ کے ساتھ اتفاق کر لیا۔ لیکن صلیب پر جانے سے انکار کر دیا۔ ہم اپنے مختصر مضمون میں یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کی غلطی کو ثابت کرنے کی کوشش کرینگے۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب +

بائیبل سے ثبوت اس بات کا کہ یسوع صلیبی موت سے بچایا گیا

زبور باب ۲۲ میں طویل بیان بطور پیشگوئی ہے۔ جس سے نمونہ کے طور پر ہم چند کلمات لکھتے ہیں۔ آیت ۱۶ سے آگے ہے "۱ شریروں کی گروہ میرا احاطہ کرتی ہے۔ وہ میرے ہاتھ اور پاؤں چھیدتے ہیں۔ میں اپنی سب ہڈیوں کو گن سکتا ہوں۔ وہ مجھ کو تاکتے اور گھورتے ہیں۔ وے میرے کپڑے آپس میں بانٹتے ہیں۔ میرے لباس پر قرعہ ڈالتے ہیں۔ پر تو اے خداوند دور مت رہ۔ میری توانائی جلد میری مدد کیلئے آ۔ میری جان کو تلوار سے بچا۔ میرے وحیدہ کو کتے کے ہاتھ سے ببر کے منہ سے بھینسوں کے سینگوں سے مجھے رہائی دے۔ تو نے میری سن کے بچایا ہے۔ میں اپنے بھائیوں میں تیرا نام بیان کرونگا۔ (اور مجمع میں تیرا ثنا خوان ہونگا۔ تم جو خدا سے ڈرتے ہو۔ اسکی ستائش کرو۔ اے یعقوب کی ساری نسل تم اسکی بزرگی کرو۔ اے اسرائیل کی ساری اولاد تم اسکا ڈر مانو"

پیشگوئی کے فقرات پر ہم نے اپنی طرف سے آٹھ نمبر لگا دیئے ہیں۔ تاکہ آسانی سے سمجھ آسکے۔ مسیحیوں کو نمبر ۵ تک مسلّم ہے۔ کہ واقعہ صلیب کے متعلق ہے۔ نمبر ۶ میں مسیحؑ کی قبولیت دعا کو بیان کیا گیا ہے۔ اور نیز عبرانیوں باب ۵ آیت ۷ میں صاف لکھا ہے۔ کہ یہ دعا مسیحؑ کی قبول ہو گئی ہے۔ جس کی عبارت یہ ہے "اس نے اپنی بشریت کے دنوں میں زور زور سے اور آنسو بہا بہا کر اسی سے دعائیں اور التجائیں کیں۔ جو اسکو موت سے بچا سکتا تھا۔ اور خدا ترسی کے سبب اسکی سنی گئی" اور متی باب ۲۶ آیت ۳۹ میں ہے۔ "اور منہ کے (یسوع۔ ناقل) گرا۔ اور دعا مانگی۔ اے میرے باپ اگر ممکن ہو۔ تو اس پیالہ کو مجھ سے ٹال دے" اور حاشیہ میں عبرانیوں باب ۵ آیت ۷ کا حوالہ دیا ہے۔ اس سے ثابت ہوا۔ کہ واقعی پیالہ والی یسوع کی دعا قبول ہو گئی۔ یعنی یسوع کو صلیبی موت سے اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔ جیسائیوں کے علماء اکبر مسیح و مارٹن کلارک وعماد الدین بھی لکھتے ہیں۔ کہ وہ دعا اسکی قبول ہو گئی۔ نیز مسیح نے بطور پیشگوئی فرمایا تھا۔ کہ "ان حرامکاروں کو بجز یونسؑ نبی والے معجزہ کے اور کچھ نہیں دکھایا جائیگا" (متی ۱۲/۳۹) اور یہ مسلّم امر ہے۔ کہ یونسؑ زندہ ہی مچھلی کے پیٹ میں داخل ہوئے۔ اور زندہ ہی بیہوشی کی حالت میں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

باہر نکلے۔ اس سے بھی یسوع کے زندہ صلیب سے اُترنے کا ثبوت ملتا ہے۔ کیونکہ اگر درحقیقت حضرت عیسیٰؑ صلیب پر مر گئے تھے، تو ان کو یونسؑ سے کیا مشابہت اور یونسؑ کو ان سے کیا نسبت۔ اس تمثیل سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰؑ صلیب پر مرے نہیں۔ صرف یونسؑ کی طرح بیہوش ہو گئے تھے۔ نمبر ۲ میں بتایا۔ کہ مسیحؑ دشمنوں کے آگے نہیں۔ بلکہ اپنے بھائیوں میں خدا کی تعریف کریگا! اور ایسا ہی اناجیل سے بھی مسیحؑ کی بعثت کی غرض مخصوص بہ بنی اسرائیل ثابت ہوتی ہے۔

نمبر ۳ میں بتایا گیا ہے۔ کہ یعقوبؑ کی اولاد بنی اسرائیل کو خدا کی بزرگی اور اسی سے ڈرنے کی تبلیغ کریگا۔ اور یہ سب کچھ صلیب سے نجات پانیکے بعد ہوگا +

اس سے ہر ایک خدا ترس اور حق کا متلاشی بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ کہ یہود و نصاریٰ کا یہ عقیدہ کہ یسوع صلیب کے ذریعہ قتل ہؤا۔ کتاب مقدس کے رُو سے بالکل غلط ہے۔ دوم عیسائیوں کا یہ خیال کہ یسوع جہان کیلئے منجی تھا۔ غلط ہے +

مسلمانوں اور نصاریٰ کی غلط فہمی

اگر عیسائی اس بات کو سچا سمجھتے ہیں۔ کہ ایلیاہ کا جو وعدہ ملاکی نبی کی کتاب ۴ میں دیا گیا ہے۔ اس سے مراد خود ایلیاہ نبی کا آنا نہیں۔ بلکہ انکا مثیل ہے۔ اور یہی فیصلہ یسوع نے فرمایا ہے۔ تو پھر مسیحؑ کی آمد ثانی سے خود انہیں (یسوع) کا آنا قرار دینا یہودیوں کی سی غلط فہمی نہیں، تو اور کیا ہے۔ اور عیسائی یہ عقیدہ رکھتے ہوئے یہودیوں کو کس طرح ملزم قرار دے سکتے ہیں۔ پس انہیں چاہیئے۔ کہ یہودیوں کی پیروی نہ کریں۔ بلکہ اپنے خداوند خدا کے فیصلہ کو اس باب میں ناطق قرار دیں۔ کہ ان کی آمد ثانی سے مراد ان کا مثیل ہے +

جب مسلمان حضرت عیسیٰؑ کو صادق سمجھتے ہیں۔ اور یہی قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے۔ تو انکو غور کرنا چاہیئے۔ کہ وہ اسی صورت میں صادق نبی قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ کہ ایلیاہ نبی سے انکا مثیل مراد لیں۔ ورنہ یہود کی مشابہت ثابت ہوگی +

پس بعینہٖ حضرت کے دوبارہ تشریف فرما ہونیکا اعتقاد صریح غلط ہے۔ ادھر قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ خلفاء محمدی کا سلسلہ خلفاء موسوی کے مطابق ہوگا۔ چنانچہ سورہ نور میں فرمایا۔ وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم۔ کیونکہ جب نص قطعی قرآنی یعنی کما کے لفظ سے ثابت ہو گیا۔ کہ سلسلہ استخلاف محمدی کا سلسلہ، خلفاء، موسوی سے مماثلت رکھتا ہے۔ جیسا کہ اسی کما کے لفظ سے ان دو نبیوں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

یعنی موسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مماثلت ثابت ہے۔ جو آیت کما ارسلنا الی فرعون رسولا سے سمجھی جاتی ہے۔ تو یہ مماثلت اسی حالت میں قائم رہ سکتی ہے۔ جبکہ محمدی سلسلہ کے آنیوالے خلیفے گذشتہ خلیفوں کا عین نہ ہوں۔ بلکہ غیر ہوں۔ کیونکہ مشبہ اور مشبہ بہ میں مغائرت ضروری ہے چونکہ ہمیں اختصار منظور ہے۔ لہٰذا ہم باقی تشریحات کی طرف نہیں جا سکتے۔ عقلمند کیلئے اشارہ کافی ہے۔ یعنی جو لوگ حضرت عیسیٰؑ کے دوبارہ آنیکا عقیدہ رکھتے ہیں۔ وہ قرآن کریم کے نص قطعی کا انکار کرتے ہیں جو مسلمان کا کام نہیں ؀

ما قتلوہ وما صلبوہ۔ ان دو الفاظ میں دراصل قتل بالصلیب کی نفی فرمائی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے۔ کہ صورت صلب پیش آگئی تھی۔ لیکن حضرت عیسیٰؑ صلیب پر فوت نہیں ہوئے۔ جیسے مقتول اسی کو کہتے ہیں۔ جس کی موت قتل کے ذریعہ واقعہ ہو۔ ایسا ہی مصلوب اسی کو کہا جاتا ہے جسکی موت صلیب کے ذریعہ وقوع میں آئے۔ جیسے کسی بیہوش کو جو سخت مجروح ہونیکے سبب سے ہو مقتول نہیں کہ سکتے۔ ایسے ہی جو صلیب سے بیہوشی کی حالت میں اُتارا جائے۔ اسکو مصلوب نہیں کہہ سکتے ؀

ہم ثابت کر آئے ہیں۔ کہ یہود اس بات کے مدعی ہیں۔ کہ ہم نے مسیح کو صلیب کے ذریعہ قتل کر دیا جیسا کہ یہود کا دعویٰ قرآن کریم میں بدیں الفاظ موجود ہے۔ انا قتلنا المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ۔ الجز ۶۔ اور جواب میں ما قتلوہ وما صلبوہ فرمانے کی غرض ماسوا دیگر وجوہات کے یہ بھی ہے۔ کہ قتل سے مراد معمولی قتل نہ تھا۔ بلکہ قتل بالصلیب تھا۔ ورنہ ما صلبوہ کا اضافہ نہ فرمایا جاتا۔ اگر باریک بینی سے دیکھا جائے۔ تو حضرت عیسیٰؑ کی بعثت کی وجہ سے تین قوموں کو صرف غلطی ہی نہیں لگی۔ بلکہ ہلاک ہو گئی ہیں۔ اوّل یہود جن کو قرآن کریم نے مغضوب علیہ فرمایا۔ دوم نصاریٰ جن کو قرآن نے ضالین قرار دیا۔ یہ دونو نام یہود و نصاریٰ کے الحمد شریف میں موجود ہیں۔ جو نماز کی ہر رکعت میں پڑھے جاتے ہیں۔ اور یہ (سورہ فاتحہ) مکّی سورۃ ہے جہاں کوئی یہود و نصاریٰ موجود نہ تھا۔ اگر تھے۔ تو مشرک۔ پس ایسے وقت مناسب بلکہ انسب ہوتا۔ کہ شرک سے بیزاری کی دعا صادر فرمائی جاتی۔ نہ کہ یہود و نصاریٰ نہ بننے کی دعا۔ اسمیں باریک بھید ہے وہ یہ کہ بطور پیشگوئی فرمایا۔ کہ مشرکین سے اسلام کو خطرہ نہیں۔ کہ مسلمان کبھی مشرکین ہو جائیں۔ بلکہ خطرہ ہے۔ کہ مسلمانوں پر ایک ایسا زمانہ آنیوالا ہے۔ کہ وہ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح ہو جائینگے۔ یہودی مغضوب علیہ کیوں ہوئے؟ اسکی وجہ ظاہر ہے۔ کہ مسیح کے انکار کی وجہ سے۔ پس مسلمانوں کو بتایا گیا۔ کہ جب تم میں مثیل عیسیٰؑ آئیگا۔ تم انکار نہ کرنا۔ ورنہ تم بھی یہود

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کے مثیل ہو جاؤ گے۔ اور ضالین کی پیشگوئی کی غرض یہ ہے۔ کہ عیسائیوں کی طرح حضرت عیسیٰؑ کی آمد ثانی میں حین قرار نہ دینا۔ ورنہ یہ عقیدہ تمھیں عیسائیوں کے مشابہ کر دیگا۔ اور یہ۔ کہ آخری زمانہ میں عیسائیت کا زور ہوگا۔ اسکے اثر سے متاثر نہ ہونا۔ تمام نبی اپنی اُمّتوں کو دجّال کے فتنہ سے ڈراتے آئے ہیں۔ نبی کریمؐ نے بھی دجّالی فتنہ کو بہت بڑا فتنہ قرار دیا ہے ؂

غلام حسین صوبہ دار پنشنر بھوچھال کلاں ضلع جہلم

بہائی مذہب۔ تدبیر امر

یعنی

اِسلام کی استواری کی پیشگوئی

بہائی "حضرت باب کا زمانہ اور سنہ ظہور ایسا متعین ہے کہ تمام کُتب مقدّس سے اس میں ذرا بھی فرق نہیں رہتا۔ سب ایک سنہ پر متفق ہو جاتے ہیں۔ قرآن شریف کے نص صریح سے بھی یہی سنہ ۱۲۶۰ھ برآمد ہوتے ہیں۔ ملاحظہ ہو یدبّر الامر من السّمآء الی الارض الخ کہ تدبیر فرمائیگا امر کی آسمان سے زمین کی طرف پھر لوٹ جائیگا یہ امر اُسکی طرف ایک دن میں جسکی مقدار تمھاری گنتی سے ایک ہزار برس ہے ؂

اس آیت میں ایک تو تدبیر امر اسلام کی استواری کی پیشگوئی ہے۔ دوسرا اُس دین اسلام کے اُٹھائے جانیکی۔ تدبیر امر کا زمانہ دو سو برس کے بعد تک تا جمع صحیحین ہے۔ اور صحیحین میں سے صحیح مسلم سنہ ۲۶۱ھ میں تکمیل جمع کو پہنچی۔ اور سنہ ۲۶۱ھ میں امام مسلم نے وفات پائی۔ پس سنہ ۲۶۱ھ سے رجوع امر کا زمانہ شروع ہوا۔ اور کیونکہ یوم رجوع ایک ہزار برس تک ہے۔ اسلئے سنہ ۲۶۱ھ سے لیکر سنہ ۱۲۶۱ھ تک امر اسلام خدا کی طرف رجوع کر گیا اور وہ وقت آ گیا جس کا بیان حدیث میں ہے کہ اسلام سے سوا نام کے اور قرآن سے سوائے رسم کے کچھ باقی نہ رہیگا ؂

چنانچہ پھر سُنّت اللہ کے مطابق رجل فارس مصداق لو کان الایمان الخ کا ظہور ہوا۔ اور ٹھیک سنہ ۱۲۶۱ھ میں ہوا۔ اور خاص زمین فارس سے ہوا۔ فارس فقط شیراز کا نام ہے"؂

احمدی۔ کہاں باب مدعیٔ ناسخ القرآن اور کہاں حدیث لو کان الایمان الخ وہی خانہ ساز تاویلیں۔ یوں تو جس حدیث کو چاہیئے کھینچ تان کر کچھ سے کچھ بنا لیجئے۔ مگر جناب مفتی صاحب! یہ دلیریاں حدیث و قرآن کے الفاظ میں کرنا زیبا نہیں۔ خدا کا خوف بھی آخر کوئی چیز ہے۔ صحیحین میں سے صحیح مسلم کی تخصیص کی وجہ نہ بتائی۔ کہ کیوں مسلم کو اس مقصد کے لئے خاص کیا؟ حضرت امام بخاری نے کیا قصور کیا ہے۔ کیوں نہ ان کی وفات سنہ ۲۵۶ھ سے رجوع امر کا زمانہ شروع ہو۔ اور اس کے بعد یوم رجوع چونکہ ایک ہزار برس تک ہے۔ اس لئے سنہ ۱۲۵۶ھ میں باب کو ادعاء کرنا چاہیئے تھا۔ چونکہ ٹھیک سنہ ۱۲۵۶ھ میں نہیں کیا۔ اس لئے جھوٹا ہے۔ شاید آپ مسلم کو اس لئے لیتے ہیں۔ کہ وہ بخاری سے دوسرے درجہ پر ہے۔ لیکن جناب اہلسنّت کے یہاں ۶ کتابیں صحاح میں شامل ہیں۔ بعض علماء نے امام نسائی کو بخاری و مسلم سے بھی افضل و اتقی مانا ہے۔ اسلئے ہم انکی وفات سے رجوع امر کا زمانہ شروع کرتے ہیں۔ کیونکہ احادیث صحاح کے مؤلفین میں سے سب سے آخر میں ان کی وفات ہوئی ہے یعنی سنہ ۳۰۳ھ میں؂ اب اگر سنہ ۳۰۳ھ میں رجوع امر کا زمانہ ایک ہزار سال جمع کیا جائے۔ تو ۱۳۰۳ = ۳۰۳ بنتے ہیں۔ سنہ ۱۳۰۳ھ میں ہمارے حضرت اقدسؑ کی بعثت ہے۔ عربی میں عام طور پر کسروں کو شمار نہیں کرتے۔ اسلئے قرآن شریف کے نص صریح سے بھی سنہ ۱۳۰۳ھ ہی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

برآمد ہوئے۔ اور سُنّت اللہ کے مطابق رجل فارس مصداق لوکان الایمان عند الثریا لنالہ رجل من ابناء فارس کا ظہور ہُوا اور ٹھیک سنہ ۱۳۰۰ھ میں ہُوا۔ اور خاص زمین مشرق سے صارم ہندی نے طلوع کیا +

اور جو آپ ضد کریں کہ نہیں سنہ ۱۲۶۰ھ ہی صحیح ہیں تو چلئے یوں ہی سہی سنہ ۱۲۶۰ھ حضرت مرزا صاحبؑ کی ولادت و طفولیت کا زمانہ ہے پس جب بھی حضرت اقدس مرزا صاحبؑ ہی اسکے مصداق ٹھیرتے ہیں۔ کیونکہ اسلام کی تائید و نصرت کر کے آپنے اُس پیشگوئی کو پورا کیا جسمیں لکھا ہے کہ مہدی دین اسلام کی استواری کے لئے آئیگا۔ جیسا کہ آپکو بھی تسلیم ہے کہ آیت یدبّر الامر من السماء الخ میں دین اسلام کی استواری کی پیشین گوئی ہے"

پس جب دین اسلام کی استواری کی پیشگوئی ہے۔ تو بابنے کب اسلام کی استواری کی۔ کیا اسلام کو منسوخ کر دینے کا نام "دین اسلام کی استواری" ہے ؟

چونکہ پیشگوئیوں میں ہمیشہ ابہام ہوتا ہے۔ صاف اور مفصل بیان نہیں ہوتا۔ کیونکہ لوگوں کا امتحان کرنا منظور ہوتا ہے۔ اسلئے یہ نہیں ہو سکتا کہ جس طرح پیشگوئی کے ظاہر الفاظ سے مفہوم ہوتا ہے ٹھیک اُسی طرح واقع ہو۔ کیونکہ اس طرح ایمان بالغیب جو ہر نبی کے ساتھ لازمی ہے نہیں رہتا۔ پس سنہ ۱۲۶۰ھ والی پیشگوئی سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ ٹھیک سنہ ۱۲۶۰ھ میں ہی موعود کا ظہور ہوگا۔ بایں طور کہ ایک دن کا بھی فرق نہ ہوگا سو ایسا ہرگز نہیں۔ بلکہ اس سے مراد سنہ ۱۲۶۰ھ کے قریب کا زمانہ ہے۔ جس میں اس موعود کی پیدائش ہو گی۔ تاکہ غور کرنے والے حق کے سچے طالب ایمان بالغیب سے فائدہ اُٹھائیں۔ اور سچے اور جھوٹے کھوٹے اور کھرے میں تمیز کر کے ثواب دارین کے مستحق ہوں +

یہ اُسوقت ہے جبکہ ہم اہل بہا کے ہی بیان کردہ معنی تسلیم کر لیں۔ ورنہ ہمارے نزدیک سنہ ۱۲۶۰ھ کہیں سے ثابت نہیں ہوتے بلکہ سنہ ۱۳۰۰ھ ثابت ہوتے ہیں۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے۔ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم۔ ثم الذین یلونھم الخ یعنی فرمایا رسول اللہ صلعم نے کہ بہتر صدی میری ہے پھر اُن لوگوں کی جو اسکے بعد ہیں پھر اُنکی جو اُسکے بعد ہیں +

قرن سَو برس کو کہتے ہیں۔ یہ صاحب قاموس نے بھی لکھا ہے اور یہ معنی بہ نسبت اور معنوں کے جو زمانہ کے متعلق اہل لغت نے کئے ہیں بہت صحیح ہیں۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم صلعم نے ایک غلام (جوان) کو کہا تھا عِش قَرناً۔ کہ تو ایک قرن زندہ رہے۔ تو وہ پورے ایک سو سال زندہ رہا +

آنحضرت صلعم کے اس دعائیہ اور الہامی کلام سے معلوم ہُوا کہ قرن سے مراد سَو سال ہیں۔ تو حدیث خیر القرون قرنی الخ کے تین قرنوں کا اختتام حضرت امام نسائی رضی اللہ عنہ کے سنہ وفات سنہ ۳۰۳ھ میں ہوتا ہے +

اب یہ بات صاف ہو گئی کہ تدبیر امر کا زمانہ تین سو برس کے بعد تک تا وفات امام نسائیؒ ہے۔ پس سنہ ۳۰۳ھ سے عروج امر کا زمانہ شروع ہُوا۔ اور چونکہ یوم عروج ایکہزار برس تک ہے اسلئے سنہ ۳۰۳ھ سے لیکر سنہ ۱۳۰۳ھ تک امر اسلام خدا کی طرف عروج کر گیا اور وہ وقت آگیا جس کا آیۂ کریمہ یُدَبِّرُ الامر من السماء الخ میں ذکر ہے یعنی دین اسلام کی استواری کی پیشگوئی کا وقت۔ سو اسکے مطابق حضرت مرزا صاحب نے تجدید کا دعویٰ کر کے دین اسلام کی استواری کی، اور ملل باطلہ کی تردید براہین قاطعہ سے کر کے دین اسلام کی فوقیت کو ظاہر کیا۔ چنانچہ ہمارے حضرت کو الہام ہُوا کہ :- "بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد" پس قرآن شریف کی نص صریح سے بھی سنہ ۱۳۰۳ھ ہی ثابت ہوئے +

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ابطال الباطل

(گزشتہ سے پیوستہ)

جو مکفر اور مکذب ہو مجھے یقین دلایا گیا ہے کہ اگر آپ لوگ مل جلکر یا ایک ایک آپ میں سے ان آسمانی نشانوں میں میرا مقابلہ کرنا چاہیں جو اولیاء الرحمٰن کے لازم حال ہوا کرتے ہیں تو خدائے تعالیٰ تمہیں شرمندہ کریگا اور تمہارے پردوں کو پھاڑ دیگا اور اسوقت تم دیکھوگے کہ وہ میرے ساتھ ہے کیا کوئی تم میں ہے کہ اس آزمائش کیلئے میدان میں آئے اور عام اعلان اخباروں کے ذریعہ سے دیکر ان تعلقات قبولیت میں جو میرا رب میرے ساتھ رکھتا ہے اپنے تعلّقات کا موازنہ کرے یاد رکھو کہ خدا صادقوں کا مددگار ہے وہ اسی کی مدد کریگا جسکو وہ سچا جانتا ہے۔ چالاکیوں سے باز آجاؤ کہ وہ نزدیک ہے کیا تم اُس سے لڑوگے کیا کوئی متکبرانہ اچھلنے سے درحقیقت اونچا ہوسکتا ہے کیا صرف زبان کی تیزیوں سے سچائی کو کاٹ دوگے۔ اس ذات سے ڈرو جس کا غضب سب غضبوں سے بڑھکر ہے" (ازالہ اوہام جلد اوّل۔ ٹائیٹل پیج)

جواب نمبر ۵ :- صدر الافاضل صاحب کا صرف حمامۃ البشریٰ کی عبارت سے یہ نتیجہ نکال لینا کہ حضرت مرزا صاحب اپنی نبوت (غیر تشریعی) کے قائل نہ تھے۔ اور حمامۃ البشریٰ کے بعد حضرت اقدس ؑ نے جو تصنیفات و تحریرات شائع کی ہیں اُن سے چشم پوشی کرنا احقاق حق نہیں بلکہ صریح مغالطہ دہی ہے۔ کم سے کم انکا یہ استدلال ویسا ہی ہے جیسا لا تقربوا الصلوٰۃ والا استدلال مشہور ہے ؛

حضرت مرزا صاحب ؑ کے دعویٰ نبوت کے متعلق میں پہلے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہٖ کی کتاب حقیقۃ النبوۃ سے چند اقتباسات پیش کرونگا جس سے اس مبحث پر کافی روشنی پڑ جائیگی۔ پھر حمامۃ البشریٰ کی اندرونی شہادت میں پیش کرونگا۔ بالآخر حضرت اقدس مرزا صاحب ؑ کی تصانیف مابعد کے بعض حوالجات بشرط و بقدر ضرورت نقل کرونگا ؛

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی اپنی کتاب حقیقۃ النبوۃ صفحہ ۱۲۰-۱۲۱ میں لکھتے ہیں :-

"سنہ ۱۹۰۱ء میں حضرت مسیح موعود ؑ نے اپنے عقیدہ میں ایک تبدیلی ضرور کی ہے یعنی پہلے اپنی نبوت کو محدثیت قرار دیتے تھے لیکن بعد میں اس کا نام نبوت ہی رکھتے ہیں اور نبوت کا انکار نہیں کرتے بلکہ شریعت جدیدہ لانے اور براہ راست نبوت پانے کا انکار کرتے ہیں پھر جب ہم آپکی کتاب حقیقۃ الوحی کو دیکھیں تو اس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں آپ نے اپنے عقیدہ میں کوئی تبدیلی ضرور کی ہے کیونکہ آپ اس کتاب میں لکھتے ہیں کہ اوائل میں میرا یہی عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح ابن مریم سے کیا نسبت ہے وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقربین میں سے ہے اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا تو میں اسکو جزئی فضیلت قرار دیتا تھا مگر بعد میں جو خدا تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی۔ اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا۔ مگر اس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے اُمتی"

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ آپ پہلے اپنے آپکو اس بنا پر کہ مسیح نبی ہے اور آپ غیر نبی مسیح سے افضل نہیں سمجھتے تھے لیکن خدائے تعالیٰ کی وحی میں بار بار آپ کا نام نبی رکھا گیا تو آپ نے اس عقیدہ میں تبدیلی کر لی اور اپنے آپ کو مسیح سے افضل قرار دیا یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ اپنی نبوت کا اقرار کیا کیونکہ غیر نبی نبی سے افضل نہیں ہوسکتا اور چونکہ تریاق القلوب کے زمانہ تک آپ نے اپنے آپ کو مسیح سے کلّی طور پر افضل ہونیکا انکار کیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ نبوت کا مسئلہ آپ پر سنہ ۱۹۰۰ء یا سنہ ۱۹۰۱ء میں کھلا ہے اور چونکہ ایک غلطی کا ازالہ سنہ ۱۹۰۱ء میں شائع ہوا ہے۔ جس میں آپ نے اپنی نبوت کا اعلان بڑے زور سے کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سنہ ۱۹۰۱ء میں آپ نے اپنے عقیدہ میں تبدیلی کی ہے۔ اور سنہ ۱۹۰۱ء ایک درمیانی عرصہ ہے جو دونو خیالات کے درمیان برزخ کے طور پر حدِّ فاصل ہے پس ایک طرف آپ کی کتابوں سے اس امر کے ثابت

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ہونے سے کہ ۱۹۰۱ء سے آپ نے نبی کا لفظ بار بار استعمال کیا۔ اور دوسری طرف حقیقۃ الوحی سے ثابت ہونے سے کہ آپ نے تریاق القلوب کے بعد نبوت کے متعلق عقیدہ میں تبدیلی کی ہے۔ یہ بات ثابت ہے کہ ۱۹۰۱ء سے پہلے کے وہ حوالے جن میں آپ نے نبی ہونے سے انکار کیا ہے۔ اب منسوخ ہیں۔ اور ان سے حجت پکڑنی غلط ہے ٭

ایضاً صٓ۱۲۵ میں لکھا ہے۔ ۱۹۰۱ء سے پہلے آپ کا یہ عقیدہ تھا۔ کہ اسلام کی اصطلاح کی رُو سے نبی وہی ہو سکتا ہے۔ جس میں تین باتوں میں سے کوئی پائی جائے یعنی (۱) وہ جدید شریعت لائے (۲) یا بعض احکام شریعت سابقہ منسوخ کرے (۳) یا بلا واسطہ نبوت پائے۔ اور چونکہ یہ باتیں آپ میں نہ پائی جاتی تھیں اس لئے آپ بالکل درست طور پر اپنے نبی ہونے سے انکار کرتے تھے۔ ہاں چونکہ لُغت میں نبی کے لئے ان شرطوں میں سے کوئی شرط مقرر نہیں۔ اس لئے آپ یہ فرما دیتے تھے کہ میرا نام صرف لغوی طور پر نبی رکھا گیا ہے۔ اور اسکی یہ وجہ تھی کہ لُغت میں جو شرائط نبی کی پائی جاتی تھیں وہ آپ اپنے اندر موجود پاتے تھے یعنی (۱) کثرت سے مکالمہ و مخاطبہ (۲) انذار و تبشیر سے پُر امور غیبیہ کا اظہار (۳) اور خدا تعالیٰ کا نبی نام رکھنا۔ لیکن اسلامی تعلیم کو اس کے خلاف سمجھ کر (کیونکہ عام مسلمانوں کا یہی عقیدہ تھا۔ اور انبیاء انکشاف تام تک عام عقیدہ پر قائم رہتے ہیں) آپ وجود سب شرائط نبوت کے موجود ہونے کے اور ان کے پائے جانے کا اقرار کرنے کے اپنے آپکو نبی نہ سمجھتے تھے مگر بار بار کے الہامات نے آخر آپ کی توجہ کو نبی کے حقیقی مفہوم کی طرف پھیرا۔ اور آپکے دل پر پورے طور پر امر واقع کا انکشاف ہُوا۔ اور قرآن کریم کو بھی آپ نے عام لوگوں کے عقیدہ کے خلاف پایا۔ تو اس پہلے عقیدہ کو ترک کر دیا۔ چنانچہ اسکا ثبوت وہ تحریرات ہیں جو آپ نے نبی کی تعریف میں ۱۹۰۱ء اور اس کے بعد لکھی ہیں ٭

پھر اسی کتاب کے صٓ۱۲۷ میں لکھا ہے:۔ ۱۹۰۱ء میں جب آپ کو معلوم ہُوا۔ کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک انبیاءؑ کے نزدیک اسلام کی اصطلاح کے مطابق قرآن کریم کے فیصلہ کے مطابق نبی کی تعریف وہی ہے جسکو آپ پہلے سے صرف لُغت کی تعریف خیال کرتے تھے۔ اور اسلامی اصطلاح کے خلاف سمجھتے تھے یعنی کثرت سے امور غیبیہ کی خبر پانا جو خارق عادت نشان ظاہر کرنیوالے ہوں یعنی نبی کے اتباع کی عزت اور اسکے مخالفین کی تباہی کی خبر دینے والے ہوں تو ایسے شخص کا جب خدا تعالیٰ نبی نام رکھے۔ تو وہ نبی ہی ہوتا ہے نہ کہ محدّث۔ تو آپ نے معلوم کیا کہ آپ واقع میں نبی ہیں۔ اور ابتدائے دعوے سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی کے مقام پر کھڑا کیا ہے اور یہ خیال آپ کا صرف قیاس کی بنا پر ہی نہیں بدلا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت حضورؑ نے ایسا کیا۔ جیسا کہ فرماتے ہیں آپ لوگ جس امر کا نام مکالمہ و مخاطبہ رکھتے ہیں۔ مَیں اس کی کثرت کا نام موجب حکم الٰہی نبوت رکھتا ہوں (حقیقۃ الوحی صٓ۶۸) پس جب خدا تعالیٰ نے آپ کو خود بتلایا۔ کہ نبوت شریعت لانے یا بلا واسطہ نبی ہونے کا نام نہیں۔ بلکہ امور غیبیہ پر کثرت سے اطلاع پانے کا نام ہے۔ اور ایسے ہی شخص کا نام اللہ تعالیٰ جب نبی رکھتا ہے تو وہ نبی ہوتا ہے نہ محدّث۔ تو آپ نے اپنے پہلے خیال کو ترک کر دیا۔ اور ۱۹۰۱ء کے بعد پھر کبھی نہیں لکھا کہ مَیں نبی نہیں ہوں۔ ہاں جب اپنے آپکو نبی کہا تو یہ بھی لکھتے رہے کہ مَیں فلاں قسم کا نبی نہیں بلکہ فلاں قسم کا نبی ہوں" ٭

حمامۃ البشریٰ کی اندرونی شہادتیں

حضرت اقدسؑ اپنی کتاب حمامۃ البشریٰ کے صٓ۳ میں اہل عرب کو مخاطب کر کے بعض علمائے ہند کی حالت کا نقشہ دکھا کر فرماتے ہیں کہ وہ ہمیشہ میری عیب جوئی میں کوشاں۔ میری تباہی و ہلاکت کے منتظر۔ اور میری تکفیر و تضلیل میں مصروف رہتے ہیں۔ مَیں نے خدا تعالیٰ سے اس بارہ میں دُعا کی کہ یا الٰہی تُو میرا اور ان کا فیصلہ کر۔ اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

"فالہمنی ربی مبشرا الفضل من عندہٖ وقال انک من المنصورین وقال یا احمد بارک اللّٰہ فیک ما رمیت اذ رمیت ولکن اللّٰہ رمٰی ..... لتنذر قوما ما انذر اٰباؤھم ولتستبین سبیل المجرمین۔ وقال قل ان افتریتہ فعلیّ اجرامی۔ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدٰی ودین الحق لیظھرہٗ علی الدّین کلہ لا مبدل لکلمات اللّٰہ وانّا کفیناک المستھزئین وقال انت علٰی بیّنۃ من ربّک رحمۃ من عندہٖ وما انت بفضلہ من المجانین۔ ویخوفونک من دونہٖ انک باعیننا سمیتک المتوکل یحمدک اللّٰہ من عرشہٖ ولن ترضٰی عنک الیھود ولا النصارٰی ویمکرون ویمکر اللّٰہ واللّٰہ خیر الماکرین"

پس میرے رب نے مجھ پر اپنے فضل سے بشارت بخش الہام نازل کیا اور فرمایا تُو ان لوگوں میں سے ہے جنکے شامل حال نصرت الٰہی ہوتی ہے اور فرمایا اے احمد خدا نے تجھ میں برکت رکھدی ہے جو کچھ تو نے چلایا وہ تو نے نہیں چلایا بلکہ خدا نے چلایا..... تاکہ تُو ان لوگوں کو ڈرائے جنکے باپ دادے ڈرائے نہیں گئے اور تاکہ مجرموں کی راہ کھل جائے یعنی معلوم ہو جائے کہ کون تجھ سے برگشتہ ہوتا ہے اور فرمایا کہ کہدے اگر یہ کلمات میرا افترا ہے اور خدا کا کلام نہیں تو اسکی سزا مجھے ملیگی۔ خدا وہ خدا ہے جس نے اپنا رسول اور اپنا فرستادہ اپنی ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو ہر قسم کے دین پر غالب کرے خدا کی باتیں پوری ہوکر رہتی ہیں کوئی انکو بدل نہیں سکتا۔ اور وہ لوگ جو تجھ پر ہنسی ٹھٹھا کرتے ہیں انکے لئے ہم کافی ہیں اور فرمایا تو اپنے رب کی طرف سے کھلی کھلی دلیل کے ساتھ ظاہر ہوا ہے۔ یہ خدا کی رحمت ہے انکے پاس سے اور تُو بفضلہ مجانین میں سے نہیں۔ اور خوف دلاتے ہیں اور دلائینگے تجھ کو اللہ کے سوا اوروں سے۔ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے میں نے تیرا نام متوکل رکھا۔ اللہ تیری حمد کرتا ہے اپنے عرش سے۔ تجھ سے یہود و نصارٰی راضی نہ ہونگے اور باریک اور خفیہ تدبیریں کرتے ہیں اور کرینگے اور اللہ بھی تدبیر کریگا اور اللہ تمام تدبیر کرنیوالوں سے بہتر ہے۔

پھر ان الہامات مذکورہ کی تشریح کے بعد صفحہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

سمّانی ربّی عیسی ابن مریم فی الھام من عندہٖ وقال یا عیسٰی انی متوفیک ورافعک الیّ ومطھرک من الّذین کفروا وجاعل الّذین اتّبعوک فوق الّذین کفروا الٰی یوم القیامۃ۔

نام رکھا میرا میرے رب نے عیسٰی بن مریم الہام میں جو اسکی طرف سے تھا اور فرمایا اے عیسٰی میں تجھے طبعی موت سے وفات دونگا اور تیرا رفع اپنے حضور میں کرونگا اور کافروں کی تہمتوں سے تیرا دامن پاک کرونگا اور تیرے ماننے والوں کو غالب کرونگا تیرے منکروں پر قیامت تک۔

صفحہ ۹ میں حاشیہ پر ایک حدیث صحیح مسلم کی نقل کی ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ فیرغب نبی اللّٰہ عیسٰی واصحابہ.... ثم یھبط نبی اللّٰہ عیسٰی واصحابہ الی الارض۔

صفحہ ۱۴ میں لکھتے ہیں:- وما کنت ادری الی اٰوٰی بعد ھذہ المدت الطویلۃ واسمٰی مسیحا موعودا من اللّٰہ تعالٰی۔

صفحہ ۲۷ میں لکھتے ہیں:- فما ترکنی وما ودعنی وما اضاعنی بل خصصنی بالتحدیث والمکالمۃ وامرنی لاتم حجۃ علی المستنصرین۔

صفحہ ۴۳ میں لکھتے ہیں:- "وکذٰلک ارسلت مجددا محدثا لاٰخر الزمان"

اب حمامۃ البشریٰ کے ان تمام حوالجات سے ظاہر ہے کہ حضرت اقدس مرزا صاحب علیہ السلام نے حسب ذیل دعوے کیئے ہیں:- ملہم من اللہ۔ مامور۔ نبی۔ رسول۔ مسیح موعود۔ مجدد۔ محدث۔ اور سلسلہ احمدیہ کے لٹریچر کو مطالعہ کرنیکے ہر شخص معلوم کرسکتا ہے کہ آپ ان تمام دعووں پر ابتدائے دعویٰ سے لیکر اپنی وفات کے وقت تک قائم رہے کبھی انکار نہیں کیا۔ اب صرف یہ بات بحث طلب رہ گئی کہ حدیث میں یا آپ کے الہامات میں جو لفظ نبی آپ کے لئے آیا ہے اس کا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مطلب آپؑ نے کیا سمجھا۔ اور اس میں کبھی کچھ تبدیلی کی یا نہیں۔ کی تو کیا؟ اور پھر اس تبدیلی کے بعد تا دم وفات آپؑ نبی کے کیا معنی لیتے رہے؟

پس واضح ہو کہ حضرت اقدس مرزا صاحبؑ حمامۃ البشریٰ کی تصنیف کے زمانہ میں عام اہل اسلام کے عقیدہ کے مطابق نبی کی تعریف یہی کرتے تھے کہ نبی وہ ہے (۱) جو شریعت جدیدہ لائے یا (۲) شریعت سابقہ کے بعض احکام کو منسوخ کرے اور (۳) جو مستقل نبوّت رکھتا ہو یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے اسکو نبوت نہ ملی ہو۔ اور چونکہ آپؑ کو یہ دعویٰ نہ تھا کہ میں شریعت جدیدہ لایا ہوں۔ بلکہ اپنے آپ کو تابع شریعت محمدیہ جانتے تھے۔ اور آپؑ کا یہ دعویٰ بھی نہ تھا کہ میں شریعت محمدیہ کے بعض احکام منسوخ کرنے آیا ہوں۔ نہ آپؑ یہ مانتے تھے کہ مستقل نبی ہوں۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ ہو کر نبی ہوں اسلئے آپؑ نبی اور رسول کے لفظ کو جو آپؑ کے الہام و حدیث نبوی میں آئے تھے۔ تاویلاً محدّث کے معنی میں لیتے تھے کیونکہ محدّث کو نبی کہنا جائز ہے۔ کیونکہ وہ بالقوہ نبی ہوتا ہے۔ یہ سب امور حمامۃ البشریٰ سے نہایت وضاحت کے ساتھ ثابت ہیں چنانچہ مندرجہ ذیل حوالجات سے ظاہر ہو جائے گا۔

صدر الافاضل صاحب نے حمامۃ البشریٰ صفہ ۲ سے جو عبارت نقل کی ہے یعنی یہ عبارت (کیف یجیئ نبی بعد رسولنا وقد انقطع الوحی بعد وفاتہ وختم اللہ بہ النبیین) اسکے بعد متصلاً حضرت اقدسؑ تحریر فرماتے ہیں:۔

(۱) انعتقد بان عیسی الذی انزل علیہ الانجیل ھو خاتم الانبیاء لا رسولنا صلی اللہ علیہ وسلم۔ انعتقد ان ابن مریم یاتی وینسخ احکام القرآن ویزید بعضا فلا تقبل الجزیۃ ولا یضع الحرب وقد امر اللہ یاخذھا وامر بوضع الحرب بعد اخذ الجزیۃ الا تقرء انہ یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون فکیف ینسخ المسیح محکمات الفرقان وکیف یتصرف فی الکتاب العزیز ویطمس بعض احکامہ بعد تکمیلھا فاعجبنی انھم یجعلون المسیح ناسخ بعض احکام القرآن ولا ینظرون الی انہ الیوم اکملت لکم دینکم ٭

کیا ہم یہ اعتقاد رکھیں کہ عیسیٰ جن پر انجیل نازل کی گئی تھی وہ خاتم الانبیاء ہیں ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں کیا ہم یہ اعتقاد رکھیں کہ ابن مریم آئیگا اور احکام قرآن منسوخ کر دیگا اور بعض احکام شریعت محمدیہ میں بڑھا دیگا پس وہ جزیہ قبول نہ کریگا۔ اور جنگ کو موقوف نہ کریگا حالانکہ اللہ نے جزیہ لینے کا اور جزیہ لینے کے بعد جنگ کو بند کر دینے کا حکم دیا ہے کیا تو نہیں پڑھتا آیت یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون پس مسیح محکمات قرآن کو کیونکر منسوخ کر دیگا اور کیونکر کتاب عزیز میں تصرّف کریگا اور بعض احکام کو مٹا دیگا شریعت محمدیہ کی تکمیل کے بعد۔ پس مجھے تعجب میں ڈالا اس بات نے کہ یہ لوگ مسیحؑ کو احکام قرآن کا ناسخ ٹھیراتے ہیں اور آیت الیوم اکملت لکم دینکم کی طرف نظر نہیں کرتے ٭

اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ حضرت اقدسؑ ابن مریم صاحب انجیل کے نبی ہو کر آنے سے اس بنا پر انکار کرتے ہیں کہ وہ بعض احکام شریعت محمدیہ کو منسوخ کرینگے اور یہ امر آیت الیوم اکملت لکم دینکم کے مخالف ہے۔ مطلب یہ کہ حضرت اقدسؑ کے نزدیک کوئی نبی آنحضرتؐ کے بعد ایسا نہیں آسکتا جو بعض احکام شریعت محمدیہ کو منسوخ کر دے۔

(۲) صفہ ۷۹ میں لکھتے ہیں:۔

فلو لم یکن لرسولنا صلی اللہ علیہ وسلم وکتاب اللہ

پس اگر نہ ہوتی ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب اللہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

القرآن مناسبة لجميع الازمنة الآتية و
اهلها علاجا و مداواة لما ارسل ذلك
النبي العظيم الكريم لاصلاحهم و
مداواتهم للدوام الى يوم القيامة
فلا حاجة لنا الى نبي بعد محمد صلى الله
عليه وسلم وقد احاطت بركاته كل
الازمنة وفيوضه واردة على قلوب الاولياء
والاقطاب والمحدثين بل على الخلق كلهم
..... واعلم انه خاتم الانبياء ولا تطلع
بعد شمسه الا نجم التابعين الذين يستفيضون
من نوره هو منبع الانوار ÷

القرآن کو مناسبت تمام زمانوں آیندہ اور اُن کے
اہل کے ساتھ بطور علاج اور مداوات کے تو یہ نبی عظیم کریم
اُن کی اصلاح و مداوات دوام تا قیامت کے
لئے نہ بھیجا جاتا پس ہمیں کسی نبی غیر محمد
صلے اللہ علیہ وسلم کی حاجت نہیں ہے
بحالیکہ احاطہ کر رکھا ہے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے برکات نے کُل زمانوں کا اور آپ
کے فیوض وارد ہیں اولیاء۔ اقطاب اور
محدثین کے قلوب پر بلکہ کل خلق پر ÷

خلاصہ مطلب یہ کہ شریعت محمدیہ ایک شریعت کاملہ ہے۔ اور وہ قیامت تک کے لئے کافی ہے پس کسی نبی صاحب شریعت جدیدہ کی ہم کو حاجت نہیں اور کیوں ہو جبکہ آنحضرتؐ کے برکات ہر زمانہ کو محیط ہیں اور آپ کے فیوض اولیاء اقطاب اور محدثین کے قلوب بلکہ تمام خلق پر وارد ہیں۔ آنحضرت خاتم الانبیاء ہیں آپ کے سورج کے بعد کوئی اور (یعنی سورج) طلوع نہ ہوگا مگر آپ کے تابعین کا ستارہ (چمکیگا) یعنی اُن لوگوں کا جو آپ کے نور سے فیض حاصل کرینگے کیونکہ آپ انوار کا سرچشمہ ہیں

(۳) حمامۃ البشریٰ صـ۱ میں لکھتے ہیں۔

والامر الحق انی ما قلت قولا يخالف
عقيدة اهل السنة حقيقة۔

حق بات یہ ہے کہ مَیں نے کوئی بات ایسی نہیں کہی جو
درحقیقت اہل السنۃ کے عقیدہ کے مخالف ہو۔

پھر صـ۷۹ میں لکھتے ہیں:۔

وما كان لي ان ادعي النبوة واخرج من
الاسلام والحق بقوم كافرين وها انى لا
اُصدّق الهاما من الهاماتي الا بعد
ان اعرضه على كتاب الله واعلم انه
كلما يخالف القرآن فهو كذب والحاد
وزندقة فكيف ادّعي النبوة وانا
من المسلمين ÷

اور مجھے کیا پڑی تھی کہ مَیں نبوت کا دعویٰ کروں یعنی اسلام
سے خارج ہو جاؤں اور کافروں کے گروہ میں مل جاؤں دیکھو
مَیں تو وہ ہوں کہ اپنے الہامات میں سے کسی الہام کی تصدیق
نہیں کرتا جب تک اُسے کتاب اللہ پر عرض نہ کرلوں۔ اور
تو جان لے کہ وہ سب جو قرآن کے مخالف ہے پس کذب و
الحاد اور زندقہ ہے تو پھر میں کیوں کر نبوت کا دعویٰ
کروں حالانکہ میں مسلمانوں میں سے ہوں ÷

حاصل مطلب یہ کہ جو آنحضرتؐ سے الگ ہو کر نبوت کا دعویٰ کرے وہ نبی نہیں ہو سکتا بلکہ اسلام سے خارج ہے۔ پس مَیں ایسا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ (یاد رہے کہ مستقل طور پر نبوت کا مدعی اس تیسری شق میں داخل ہوگا) پس حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ کی وہ تحریرات جو حقیقۃ النبوۃ سے ہم پیشتر اس بارے میں نقل کر چکے ہیں بالکل درست اور واقعی ہیں ÷

رہا محدث کو نبی اور رسول اور نبی رسول کو تاویلاً محدث کہنا اسکی نسبت حمامۃ البشریٰ کے حوالجات ذیل ملاحظہ طلب ہیں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

صـ۱۸ میں لکھتے ہیں :-

فجاء فی البخاری فی آیۃ وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی الا اذا تمنی الآیہ۔ عن ابن عباس انہ کان یزید فیہ ولا محدث یعنی یقرء وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی ولا مُحدّث وتجد ھذا الذکر مفصلا فی فتح الباری فلا تعرض عن الحق بعد ما جاء لک و تدبّر مع المتدبّرین۔

اور بخاری میں زیر تفسیر آیت وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی الا اذا تمنی الآیۃ۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ اس آیت میں ولا محدث بھی پڑھتے تھے یعنی اس طرح وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی ولا محدث۔ اور تو اے مخاطب اس ذکر کو فتح الباری میں مفصل پائیگا پس حق سے اعراض نکر بعد اسکے کہ وہ تیرے پاس آگیا اور تدبر کر تدبر کرنیوالوں کے ساتھ ۔

پھر صـ$\frac{۸۱}{۸۲}$ میں لکھتے ہیں :-

و انّی واللّٰہ اُومن باللہ ورسولہٖ اُومن بانّہٗ خاتم النبیین نعم قلت ان اجزاء النبوۃ توجد فی التحدیث کلھا ولکن بالقوۃ لا بالفعل فالمحدث نبی بالقوۃ۔ ولو لم یکن سد باب النبوۃ لکان نبیا بالفعل وجاز علی ھذا ان تقول ان النبی محدث علی وجہ الکمال لانہ جامع لجمیع کمالاتہ علی الوجہ الابلغ ... بالفعل وکذالک جاز ان تقول ان المحدث نبیٌّ بناءً علی استعدادات الباطنی اعنی ان المحدث نبی بالقوۃ وکمالات النبوۃ جمیعھا مخفیۃ مضمرۃ فی التحدیث .... فالنبوۃ شجرۃ موجودۃ فی الخارج مثمرۃ بالغۃ الی حدھا والتحدیث کمثل بذرٍ فیہ یوجد فی القوۃ کلما یوجد فی الشجر بالفعل وفی الخارج وھذا امثال واضح للذین یطلبون معارف الدین

مَیں واللہ ایمان لایا ہوں اللہ اور اسکے رسول پر اور اس بات پر کہ آنحضرتؐ خاتم النبیینؐ ہیں ہاں مَیں نے یہ کہا ہے کہ نبوّت کے اجزاء کلّیتاً تحدیث میں پائے جاتے ہیں ولیکن بالقوۃ نہ بالفعل پس محدث نبی ہے بالقوہ اور اگر باب النبوۃ بند نہ ہوتا تو نبی بالفعل ضرور ہوتا اور اسوجہ سے جائز ہے کہ اگر ہم کہیں کہ نبی محدث ہے کامل طور پر کیونکہ وہ جامع ہے تمام کمالات تحدیث کا بالفعل اور اسی طرح جائز ہے اگر ہم کہیں کہ محدث نبی ہے اپنی استعدادات باطنی کی بنا پر میری مراد یہ ہے کہ محدّث نبی ہے بالقوۃ اور کمالات نبوّت جمیع طور پر تحدیث میں مخفی ہیں .... پس نبوّت ایک درخت ہے موجود خارج میں پھل دینے والا اپنی حد کمال کو پہنچا ہوا اور تحدیث مثل تخم ہے بالقوہ اسمیں تمام وہ صفتیں پائی جاتی ہیں جو درخت میں بالفعل پائی جاتی ہیں خارج میں اور یہ مثال واضح ہے ان لوگوں کیلئے جو طالب ہیں معارف دین کے

حمامۃ البشریٰ کی اشاعت سے ایک عرصہ کے بعد جب تفہیم الٰہی و صریح و متواتر الہامات سے حضرت اقدسؑ کو یہ ظاہر ہو گیا کہ نبی کو صرف محدّث در حقیقت سمجھ لینا غلط ہے۔ نیز یہ خیال کہ شریعت محمدیہ کا ایک متبع کامل صرف محدثیت تک ترقی کر سکتا ہے نبوت (غیر تشریعی) کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا صحیح نہیں ہے اور نبی کی تعریفوں میں سے لغت والی تعریف صحیح ہے تو اسکے بعد موقع پر آپنے ایک اشتہار مورخہ ۵ نومبر ۱۹۰۱ء شائع فرمایا جسکا عنوان ہے **ایک غلطی کا ازالہ** اشتہار مذکور کے چند فقرے یہاں پیش کئے جاتے ہیں :-

"نبوّت کی تمام کھڑکیاں بند کی گئیں مگر ایک کھڑکی سیرت صدیقی کی کھلی ہے یعنی فنا فی الرسول۔ پس جو شخص

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اس کھڑکی کی راہ سے خدا کے پاس آتا ہے اس پر ظلّی طور پر وہی نبوّت کی چادر پہنائی جاتی ہے جو نبوّت محمدی کی چادر ہے اس لئے اس کا نبی ہونا غیرت کی جگہ نہیں کیونکہ وہ اپنی ذات سے نہیں بلکہ اپنے نبی کے چشمہ سے لیتا ہے اور نہ اپنے لئے بلکہ اسی کے جلال کے لئے اسلئے اس کا نام آسمان پر محمدؐ اور احمدؐ ہے۔ اسکے یہ معنی ہیں کہ محمدؐ کی نبوّت آخر محمدؐ کو ہی ملی گو بروزی طور پر مگر نہ کسی اور کو...... یہ نام بحیثیت فنافی الرسول مجھے ملا لہٰذا خاتم النبیینؐ کے مفہوم میں فرق نہ آیا.... ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک ایسا نبی کوئی نہیں جس پر جدید شریعت نازل ہو یا جس کو بغیر توسط آنجناب اور ایسی فنافی الرسول حالت کے جو آسمان پر اس کا نام محمدؐ اور احمدؐ رکھا جائے یونہی نبوّت کا لقب عنایت کیا جائے من ادعی فقد کفر..... ان معنوں کی رُو سے مجھے نبوت اور رسالت سے انکار نہیں ہے۔ اسی لحاظ سے صحیح مُسلم میں بھی مسیح موعودؑ کا نام نبی رکھا گیا..... اگر کہو اس کا نام محدّث رکھنا چاہیئے تو میں کہتا ہوں کہ تحدیث کے معنی کسی لُغت کی کتاب میں اظہار غیب نہیں ہے۔ مگر نبوّت کے معنی اظہار امر غیب ہے..... جس جس جگہ میں نے نبوّت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں اور نہ میں مستقل طور پر نبی ہوں مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسولؐ مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کر کے....... اور اپنے لئے اس کا نام پا کر اس کے واسطے سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے رسول اور نبی ہوں۔ مگر بغیر کسی جدید شریعت کے۔ اس طور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا بلکہ انہیں معنوں سے خدا نے مجھے نبی اور رسول کر کے پکارا ہے۔ سو اب بھی میں ان معنوں سے نبی اور رسول ہونے سے انکار نہیں کرتا"

پھر کتاب حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۸ حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"جسقدر نبی گذرے ہیں (یعنی حضرت موسیٰؑ کی اُمّت میں۔ از ناقل) ان سب کو خدا نے براہ راست چُن لیا تھا۔ حضرت موسیٰؑ کا اسمیں کچھ بھی دخل نہیں تھا۔ لیکن اس اُمّت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت سے ہزارہا اولیاء ہوئے ہیں اور ایک وہ بھی ہُوا جو اُمّتی بھی ہے اور نبی بھی"

تقریر حضرت مسیح موعودؑ "خدا تعالیٰ جسکے ساتھ ایسا مکالمہ مخاطبہ کرے کہ جو بلحاظ کمیت و کیفیت دوسروں سے بہت بڑھ کر ہو اور اسمیں پیشگوئیاں بھی کثرت سے ہوں اسے نبی کہتے ہیں اور یہ تعریف ہم پر صادق آتی ہے پس ہم نبی ہیں (اخبار بدر قادیان مورخہ ۵ مارچ ۱۹۰۸ء)

"میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں" (آخری خط حضرت اقدسؑ مندرجہ اخبار عام مورخہ ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء)

نتیجہ اس تمام تحقیقات کا یہ ہے کہ صدر الافاضل صاحب کی یہ تحریر کہ (مرزا صاحبؒ بھی اپنی نبوّت کے قائل نہ تھے انہوں نے بہت صریح لفظوں میں انکار کیا ہے یہ انکے متبعین قادیانی مذہب کے لوگوں کی خوش عقیدتی ہے کہ وہ انکو نبی خیال کرتے ہیں لیکن انہوں نے صاف اس عقیدہ سے برأت کی ہے جس پر مدعی سست گواہ چست کی مثل صادق آتی ہے) صریح مغالطہ ہی پر مبنی ہے۔ حضرت مرزا صاحبؒ تادم واپسین جس قسم کی نبوّت کے قائل رہے اُسی نبوّت کے قائل انکے وہ متبعین ہیں جو قادیان سے تعلق رکھتے ہیں اور جس قسم کی نبوّت سے حضرت مرزا صاحبؒ اپنے آخری وقت تک انکار کرتے رہے انکے متبعین بھی اُس نبوّت سے انکار کرتے چلے آرہے ہیں۔ صدر الافاضل صاحب کو احمدیہ لٹریچر سے پوری واقفیت نہیں اسلئے انہوں نے کسی تحریر سے دھوکا کھایا ہے اور اگر پوری واقفیت ہے تو پھر یقیناً انہوں نے پبلک کو دھوکا دیا ہے۔ جو نہایت شرمناک حرکت ہے۔ پس مدعی سست اور گواہ چست والی مثل حضرت مرزا صاحبؒ اور انکے متبعین پر صادق نہیں آتی بلکہ یہ مثل حضرت امام غائب صاحب اور انکے متشیعین پر ضرور صادق آتی ہے کیونکہ امام صاحب موصوف (بشرطیکہ صدر الافاضل

Digitized by Khilafat Library Rabwah

صاحب انکی ولادت امامت اور حیات الی الآن دلائل قطعیہ سے ثابت کردیں) دنیا کے کسی آباد و مشہور مقام پر بالاعلان اپنی امامت کے متعلق کبھی ایک حرف بھی زبان پر نہیں لاتے۔ مگر انکے متشیعین کی یہ خوش عقیدتی ہے کہ انکی امامت کا رنگ جمانے کے لئے عام مجالس اور سالانہ جلسوں میں ہمیشہ شور مچاتے اور طرح طرح کے سبز باغ دکھاتے رہتے ہیں۔ ہاں اب اگر وہ یہ اعتراض کریں کہ مرزا صاحب پہلے اپنی نبوت کو محدثیت سمجھتے رہے پھر اسکو نبوت کہنے لگے۔ یہ عقیدہ میں تبدیلی ہے اور ایسا شخص اس قابل نہیں کہ اسکو نبی مانا جائے۔ تو میں عرض کرتا ہوں کہ یہ اعتراض ایک شیعہ کی زبان سے نکلنا کسی طور پر بھی مناسب نہیں کیونکہ اصول کافی میں حدیث موجود ہے کہ ائمہ پر ہر شب قدر میں ایک کتاب نازل ہوتی ہے اس کتاب کے مطابق ائمہ کے اعتقادات ہر سال بدل جاتے ہیں۔ صاحب نصیحۃ الشیعہ نے اس قصہ کو ایک دلچسپ پیرایہ میں لکھا ہے اسلئے ہم اُن کے الفاظ یہاں نقل کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں :-

"علمائے شیعہ نے یہ تصریح کی ہے کہ ہر سال امام کے اعتقادات بدلا کرتے ہیں اور جو اعتقادات پہلے سے حاصل ہیں ان میں بعض کی غلطی ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور بعض نئے اعتقادات سکھائے جاتے ہیں جو پہلے سے حاصل نہ تھے یہ تغیر و تبدل بذریعہ ایک کتاب کے ہوتا ہے جو ہر سال لیلۃ القدر میں نازل ہوتی ہے چنانچہ خلیل قزوینی نے صافی ترجمہ کافی میں باب البداء میں لکھا ہے :-

برائے ہر سال کتابے علیحدہ ہست مراد کتابے است کہ در آں تفسیر احکام حوادث کہ محتاج الیہ امام ست تا سال دیگر نازل شوند بآں کتاب ملائکہ و روح در شب قدر بر امام زمان اللہ تعالیٰ باطل میکند بآں کتاب آنچہ را کہ میخواہد از اعتقادات امام خلائق و اثبات میکند در و آنچہ کہ می خواہد از اعتقادات"

ہر سال کیلئے علیحدہ کتاب ہے جسمیں ان امور کی وضاحت ہوتی ہے جس کی دوسرے سال تک امام کو حاجت ہوگی ملائکہ اور ارواح اس کتاب کو لیکر شب قدر میں نازل ہوتے ہیں اس کتاب کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ امام کے جو اعتقادات چاہتا ہے باطل کر دیتا ہے اور جو نئے اعتقادات چاہتا ہے ثابت کر دیتا ہے ؛

ہر شب قدر میں نازل نئی ہوتی ہے کتاب حق جو تھا سال گذشتہ میں وہ اب ناحق ہے	جس میں احکام نئے ہوتے ہیں اقوال نئے اعتقادات بدل جاتے ہیں ہر سال نئے

اب صدر الافاضل صاحب خود ہی انصاف فرمائیں کہ عقائد کی سالانہ تبدیلی سے حضرات ائمہ کی امامت میں کچھ فرق نہیں آسکتا تو تمام عمر میں دو ایک عقیدوں کی تبدیلی سے حضرت اقدس مرزا صاحبؑ کی نبوت میں کیونکر فرق آسکتا ہے اگر صدر الافاضل ایک اعتراض کریں گے تو حضرات ائمہ پر ایک درجن اعتراض پڑینگے ؛

الحمد للہ کہ فضلائے شیعہ کے جوابات کی تنقید سے ہم نے فراغت پائی اور انکے اعتراضات کا باطل ہونا بخوبی ثابت ہو گیا اسکے ساتھ ہی یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ شیعہ صاحبان نے امامت اور عدل کو جو اصول دین میں داخل کیا ہے یہ خالص بدعت ہے اور امامت و عدل کو اصول دین میں داخل کرنیکے لئے انکے پاس کوئی دلیل قطعی نہیں ہے ؛

ہاں عدل کے متعلق یہی رائے کہ صدر الافاضل صاحب نے اپنے مضمون صفحہ ۲۲ میں لکھا ہے کہ عدالت کا مقتضا ہے عاصی کو اسکے کردار کی سزا اور مطیع کو اسکے افعال کی جزا دے" اس اقرار سے ظاہر ہے کہ صفت عدل اللہ تعالیٰ کی صفات الرحیم اور مالک یوم الدین سے باہر نہیں اور یہ امر محتاج بیان نہیں کہ ایمان باللہ سے مراد اللہ کی ذات اور اسکی تمام صفات پر ایمان لانا ہے پس صفت عدل کو ایمان باللہ سے خارج سمجھ کر ایک جداگانہ اصل قرار دینا عجیب دانشمندی ہے۔ علاوہ ازیں اس سے باقی صفات الٰہیہ کی ہتک بھی ہوتی ہے جو مقتضائے ایمان باللہ کے مخالف ہے۔ فافہم ولا تکن من المجادلین۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ؛

([illegible])

Digitized by Khilafat Library Rabwah

وی پی کر دیئے گئے

جن احباب کی طرف سے اب تک چندہ ریویو وصول نہیں ہُوا۔ ان کے نام یہ رسالہ وی پی کر دیا ہے اُمید ہے اب تیسری بار انکاری واپس نہ آئے گا۔ احباب کو یہ امر مدِ نظر رکھنا چاہیئے کہ ریویو کی اشاعت موجودہ اسکے اخراجات نہیں چلا سکتی۔ پس اگر موجودہ خریدار بھی اپنا اپنا بقایا صاف نہ کریں۔ تو یہ سوال حل کرنا پڑے گا۔ کہ رسالہ جاری رہے یا مُلتوی رکھا جاسے۔

(مینجر ریویو اُردو)

صدر انجمن احمدیہ کے اخبارات

۱۔ احمدیہ گزٹ :۔ نظارتوں کی رپورٹیں و اعلانات۔ ماہوار عہ سالانہ

۲۔ الفضل :۔ حضرت امام کے کلمات طیبات۔ تقاریر۔ خطبات جمعہ شائع کرتا ہے ہفتہ میں دو بار ۸ے ر سالانہ
اس کا خاتم النبیین نمبر خدا کے فضل سے نکل چکا ہے قیمت پرچہ ۸ے۔ آٹھ سو فی پرچہ ۵ر

۳۔ ریویو آف ریلیجنز اُردو :۔ تائید احمدیت یعنی اسلام پر علمی مضامین ماہوار سے ر سالانہ

۴۔ " انگریزی :۔ لنڈن سے نکلتا ہے " اٹھ ر "

۵۔ سن رائز :۔ نوجوانوں کو اسلام پر مضبوط رکھنے کے لئے پندرہ روزہ عہ ر سالانہ عہ طلباء کیلئے

۶۔ مصباح :۔ خواتین سلسلہ احمدیہ کا اخبار مہینے میں دو بار عہ ر سالانہ

چند ضروری و مفید رسالے

معارف القرآن ۸ر۔ براہین العقائد ۸ر۔ الاستخلاف ۴ر۔ کمالات احمدیہ ۶ر۔ مقصد بعثت ۳ر
التشریح الصحیح ۶ر۔ پیغام حق ۲ر۔ مباحثہ سرگودھا ۶ر۔ مجمع البحرین ۴ر۔ اسلام کی اندرونی تصویر ر
اسلامی قادر مطلق خدا اور آرین سرو شکتیمان ۳ر۔ بانی آریہ سماج کے اقوال تناقض ر۔ بطلان مسئلہ
قدامت روح و مادہ دلائل عقلیہ و نقلیہ ر۔ مسیح موعود اُمت محمدیہ ۱ر۔ ذبیحہ گاو ہندوؤں کی وید مقدس
آریہ سماج اور گاندھی جی ر۔ نتیجہ سورج اور واقعات کا اندراج ر۔ چند کارآمد حوالے ۲ر ۱ر
کفارہ ۱ر۔ انجمن تائید اسلام کے رسالہ کا جواب ر۔ عالمگیر مذہب و پنج معیار ر

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ٹریڈ مارک تارا رجسٹرڈ

ڈاکٹر ایل کے برمن کی

سخت امراض کی مجرب پیٹنٹ دوائیں

۴۵ سال کی آزمودہ	دمہ کی دوا	نہایت مفید اور زود اثر ہے

(دمہ کو فوراً دباتی ہے)

خواہ کتنے ہی زور سے دمہ کا دورہ ہو رہا ہو ایک یا دو خوراک سے دب جاتا ہے۔ اور چند روز تک متواتر استعمال کرنے سے جڑ سے جاتا رہتا ہے اور دوا جب تک پی جاتی ہے زور نہیں پکڑتا۔

قیمت۔ فی شیشی ایک روپیہ چھ آنہ ؏ محصول ڈاک چھ آنہ ۶/

تین شیشی چار روپیہ للعہ محصول ڈاک آٹھ آنہ ۸/

استعمال شرط ہے	مقوی باہ کی گولیاں	آزمائش پر حصر ہے

اس مقوی دوا کے استعمال سے معمولی کمزوری۔ نامردی۔ جریان۔ ہاتھ پاؤں میں لغزش دل کی دھڑکن۔ حافظہ کی کمی۔ قدرے محنت سے تکان وغیرہ رفع ہو جاتی ہے۔ دوران استعمال دوا گاہے گاہے ہماری تیار کردہ جلاب کی گولیاں ضرور استعمال کرتے رہنا چاہیئے۔

قیمت۔ دو ہفتوں کی خوراک (۳۰ گولیوں کی شیشی) ایک روپیہ دو آنہ ؏

محصول ڈاک چھ آنہ ۶/

جلاب کی گولیوں کی ڈبی دس آنہ ۱۰/ محصول ڈاک چھ آنہ ۶/

نوٹ:۔ ہماری دوائیں سب جگہ فروخت ہوتی ہیں۔ اس لئے اپنے مقام میں خریدنے سے دقت اور محصول ڈاک میں بچت ہوگی

صیغہ نمبر (۱۱۷) پوسٹ بکس نمبر ۵۵۴ کلکتہ

ایجنٹ۔ شیخ محمد وارث رحمت علی مرچنٹ۔ گورداسپور

ضیاء الاسلام سٹیم پریس قادیان میں بھائی عبدالرحمن قادیانی پرنٹر و پبلشر نے چھاپ کر صدر انجمن احمدیہ کیلئے قادیان سے شائع کیا۔